المرشد

جلد ۵ شمارہ ۱
نومبر ۱۹۸۲ء بمطابق محرم الحرام ۱۴۰۳ھ

المرشد چکوال (جہلم)

دینی اصلاحی علم سلوک اور تصوف کا واحد مجلہ

سرپرستِ اعلیٰ
حضرت العلّام
مولانا اللہ یار خان صاحب
دامت برکاتہم العالیہ

• مدیر مسئول
پروفیسر حافظ عبد الرزّاق
ایم اے عربی

• مجلسِ ادارت (اعزازی)
• پروفیسر بنیاد حسین نقوی
بی۔اے (آنرز) ایم۔اے
• مولانا محمد اکرم منارہی
• پروفیسر
باغ حسین کمال ایم اے
• حافظ عبد القیوم
بی۔اے

زرِ سالانہ	۳۵/۰
ششماہی	۱۸/۰
فی پرچہ	۳/۰
بیرونِ ملک	۱۰۰/۰

اس شمارہ میں

ادا ریہ — مدیر
	ص	
اسرار التنزیل	۵	مولانا محمد اکرم ملک منارہی
چراغ مصطفویؐ	۱۲	پروفیسر حافظ عبد الرزاق ایم۔اے
باتیں ان کی خوشبو خوشبو	۱۶	حضرت استاذی المکرم مدظلہٗ
حقوق العباد	۲۰	قادری۔ ایم۔اے
دیکھتا چلا گیا	۲۶	سیلانی
شیطان کے مکروفریب	۳۱	فیض الرحمان اسلام آباد
کایا پلٹ گئی	۳۸	کایا پلٹ گئی
قربانی	۴۰	ابوسعید
جواہر پارے	۵۲	میجر اعوان
اشتہار	۵۴،۵۵	

رابطے کے لئے "دار العرفان" منارہ

سول ایجنٹ: مَدَنی کتب خانہ گنپت روڈ لاہور

حافظ عبد الرزاق پبلشر نے منہاج الدین اصلاحی پرنٹر شرکت پریس نبت روڈ لاہور سے چھپوا کر ماہنامہ المرشد الحسنات منزل چکوال (جہلم) سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

اداریہ

سخن ہائے گفتنی

سب تعریف اس ربّ العٰلمین کے لئے ہے جس نے اپنے بندوں کو مقام بندگی سے روشناس کراتے اور ان کے اندر عجز کا احساس زندہ رکھنے کے لیئے اعلان فرمادیا کہ وان تعد وا نعمۃ اللّٰہ لا تحصوھا۔ انسان بھلا کس زبان سے اس کی نعمتوں کا شکر ادا کر سکے کیوں نہ اپنے عجز کا اظہار کرتے ہوئے کہہ دے ؏

خاموشی از ثنائے تو حد ثنائے تست

اللہ تعالےٰ نے اپنے چند کمزور اور ناتواں بندوں کو توفیق عطا فرمائی کہ اعلائے کلمۃ الحق کے لئے ماہنامہ "المرشد" کا اجراء کریں۔ چنانچہ آج سے چار برس پہلے اس کا اجراء عمل میں آیا۔ اور اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ "المرشد" کی زندگی کے چار سال مکمل ہو گئے۔ اور پانچویں برس کا یہ پہلا شمارہ آپ کے ہاتھ میں ہے۔ اللہ تعالےٰ اس محنت کو شرفِ قبولیت بخشے۔ اور یہ سلسلہ آئندہ بھی جاری رہے۔

یوں تو دنیا کی بقا ہی قربانی کے جذبہ کی مرہونِ منت ہے۔ مگر اسلام ایک خاص قربانی کا مطالبہ کرتا ہے جس کی شکلیں خواہ سینکڑوں ہوں مگر روح ایک ہی ہے کہ قل ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ ربّ العالمین یعنی وقت کی قربانی ہو یا مشاغل کی، صلاحیتوں کی قربانی ہو یا اہلیت کی، مال کی قربانی ہو یا جان کی سب اللہ کی رضا کی خاطر ہو۔ چنانچہ اسلام کے قمری سال کی ابتدا بھی قربانی سے ہوتی ہے اور انتہا بھی قربانی ہے

قمری سال کا آخری مہینہ ذی الحجہ ابھی ابھی گذرا۔ اس میں حسب الارشاد نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم سُنّۃ ابیکم ابراھیم کی یاد تازہ رکھنے کے لیئے جانوروں کی قربانی دی گئی جو درحقیقت قربانی کی روح کا ایک مظہر ہے جس کی حقیقی روح کی نشان دہی خود خالق کائنات نے ان الفاظ میں فرمائی کہ لن ینال اللہ لحومھا ولا دماءھا ولکن ینالہ التقویٰ منکم" یعنی اس کی نافرمانی سے دامن بچاتے ہوئے اس کی رضا کی خاطر قدم بڑھتے جائیں۔ خواہ اس سفر میں جان جیسی متاعِ عزیز بھی پیش کرنی پڑے۔ اس مہینے کے آخری

عشرے میں اسلام کے ایک مایہ ناز فرزند نے چالیس روز تک بھوکا پیاسا رہ کر اپنی جان، جان آفرین کے پیش کر دی۔ وہ جس کا بدلہ لینے کے لیئے اس کے قدرشناس آقا نے ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر اپنی اُنیس۱۹ برس کی کمائی۔ ۱۴۰۰ جان نثاروں سے اپنے ہاتھ پر موت کی بیعت لی تھی۔ اور ان کے قدرشناس خالق و مالک نے وہیں بیٹھے بیٹھے ان کے لئے چار انعامات کا اعلان فرمایا تھا۔ مگر افسوس کہ اس کی قربانی کی یاد قدرشناسوں کے ذہن سے ہی محو ہو گئی۔

پھر نئے سال کے پہلے مہینے کے پہلے روز اس عظیم فرزندِ اسلام نے عین اس حالت میں جان کی قربانی دی، جب وہ ہادیٔ برحق کے مصلّے پہ اپنے مالک کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔ وہ جس کے متعلق دشمنانِ اسلام بھی یہ کہنے پہ مجبور ہو گئے کہ اگر اسلام کی تاریخ میں ایک عمرؓ اور ہوتا تو دُنیا کا رنگ ہی اور ہوتا مگر اس کی قربانی بھی زرد فراموشی کی گرد کی تہوں کے نیچے دب کے رہ گئی۔

پھر اسی مہینے کی دسویں کو اسلام کے ایک گُلِ سرسبد نواسۂ رسولؐ نے اپنی جان کی قربانی دیکر قربانی کی تاریخ میں ایک سُنہرے باب کا اضافہ کیا۔ اس کے ساتھ دھوکا کیا گیا۔ اسے ہزاروں خطوط لکھ کر بُلایا۔ جب وہ آیا تو بُلانے والوں نے آنکھیں پھیر لیں۔ اس نے راستے میں ہی اس دھوکے کا اعلان تو کر دیا کہ قدخذلنا شیعتنا کہ ہمیں بلانے والوں نے ہمارے ساتھ دھوکا کیا مگر اس کے قدم نہ رُکے۔ آج اس کی قربانی کی یاد منائی جاتی ہے۔

مگر یاد منانے کا انداز عجیب ہے۔ جس مقصد کے لئے اس نے یہ عظیم قربانی دی۔ اس مقصد کا کہیں تذکرہ تک نہیں آتا۔ یاد منانے کا حق تو جب ادا ہوتا۔ جب اس مقصد کو اوّلیت حاصل ہوتی اس مقصد کے تذکرے ہوتے۔ پھر اپنی زندگی کا جائزہ لیا جاتا کہ ہم جو اس کے نام لیوا، محبّ اور شیدا کہلاتے ہیں ہمیں اس مقصد کی کہاں تک فکر ہے۔ ہم نے اسی مقصد کے لئے کیا قربانی دی ہے یا دینے کا ارادہ ہے۔ ہمارے طور طریقے دیکھ کر تو بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ ؎

تجھے آبا سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی
کہ تو گفتار وہ کردار، تو ثابت وہ سیارہ

مگر نسبت کیا ہو۔ حسینؓ کا مطالبہ تو یہ تھا کہ ادخلوا فی السلم کافۃ یعنی زندگی

کے ہر شعبے کو شریعت اسلامی کے تابع کردو۔ اور ہم شریعت کے ہر حکم کو ٹالنے کے لئے چور دروازوں کی تلاش میں رہتے ہیں حسینؓ کو تو ایک ادنیٰ سی خلاف ورزی بھی گوارہ نہ تھی اور ہم شریعت کو مٹانے اور اس کی آواز کو دبانے کے لئے دامے درمے قدمے سخنے کمربستہ ہیں حسینؓ خدا پرست۔ ہم خواہشات کے بندے۔ حسینؓ اللہ کا پرستار ہم دولت کے پجاری۔

حسینؓ کو آخرت کی فکر اور ہماری لغت سے آخرت کا لفظ ہی خارج۔

حسینؓ انسانیت کا محافظ اور ہم۔ دوسروں کی عزت، مال، جان کے دشمن۔

حسینؓ شریعت کا بول بالا کرنے والا! اور ہم شریعت کے ہر حکم کو پامال کرکے اترانے والے۔

اس پر طرہ یہ کہ حسین کی محبت کے مدعی اور اس کے غم میں گھلنے کا دعویٰ کرنے والے۔ یہ تضاد یہ دورنگی یہ ایکٹنگ، آخر کس لئے کیا علیم بذات الصدور ہمارے باطن کی دنیا سے واقف نہیں ہے؟

آیئے اس عظیم فرزند اسلام کی قربانی کی قدر کرنا سیکھیں اور اپنے آپ کو بدلنے کی کوشش کریں۔ جس مقصد کے لیئے انہوں نے قربانی دی تھی اس مقصد کو پہچانیں اور اپنے دل میں اس کی لگن پیدا کریں ؎

ہم تو جیتے ہیں کہ دُنیا میں ترا نام رہے
کیا یہ ممکن ہے کہ ساقی نہ رہے جام رہے

مدیر

مسلسل

اسرار التنزیل

مولانا محمد اکرم صاحب مناروی

الحمد للہ وکفیٰ وسلامٌ علیٰ عبادہِ الذین اصطفیٰ

اَمّا بعد: حضرت صالحؑ کو قومِ ثمود کی طرف مبعوث فرمایا گیا۔ انھوں نے اس چھوٹے سے خطّے میں جو سارے کا سارا دین، ساری کی ساری تبلیغ اور سارے کا سارا نظامِ حیات پیش کیا، اللہ کریم نے وہ سب کچھ ایک چھوٹے سے جملے میں بیان فرما دیا۔ ارشاد ہُوا:۔

قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ۔ "اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی مستحقِ عبادت نہیں، کیوں؟ ھُوَ اَنْشَاَکُمْ مِّنَ الْاَرْضِ۔ انشاٗ من الارض اخروی حشر انشا سے کہیں مشکل ہے اللہ کریم کے لئے اس دُنیا میں پیدا کرنا مشکل ہے نہ اُس دُنیا میں۔ مگر عمومی نسبت سے دیکھا جائے تو اس دنیا میں وجود کے اجزائے منتشر کو اکٹھا کرنے کا جو نظامِ ترتیب دیا گیا ہے آخرت میں اس قدر منتشر ہو ہی نہیں سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے کسی بھی جسمِ انسانی کو ایک جگہ سے مُٹھی بھر مٹّی لے کر ترتیب نہیں دیا۔ بلکہ خداوند کریم نے روئے زمین کی مختلف جگہوں کی مٹیوں کو ملا کر ایک جسمِ انسانی میں سمو دیا، تخلیقِ آدم سے پہلے اللہ کریم نے جس طرح انسانوں کی عمریں مقرر فرمائیں اور ان کے رزق مقرر فرمائے اسی طرح انسانی اجسام کے اجزاء بھی علمِ الٰہی میں مقرر ہیں۔ اتفاقاً کوئی وجود نہیں بنتا۔ اللہ کریم کے علم میں یہ سب کچھ مقرر ہے کہ وہ ذرّات فلاں وجود تک پہنچیں گے۔ خیال کیجئے کہ دنیا کے مختلف حصّوں میں اللہ کریم نے مختلف غذائیں اور مختلف

پھل پیدا فرمائے۔ یہ گندم، چاول، چنے، جوار اور باجرہ کا اناج اور رنگ رنگ کے میوے مٹی کی ہی مختلف اشکال ہیں مختلف مراحل سے گزر کر بنگال میں چاول پیدا ہوا۔ سمندر کے راستے جہازوں کے ذریعہ کراچی پہنچا۔ پھر کئی آڑھت کی کی دکانوں، تاجروں اور سوداگروں کے ہاتھوں سے ہوتا ہوا پاکستان کے دور افتادہ گاؤں کے کسی انسان کی غذا بن کر اس کے وجود کا حصہ بن گیا دنیا کا کوئی کام بھی ذاتی طور پر یا اتفاقاً نہیں ہوتا سب کچھ علمِ الٰہی میں مقرر ہے۔ اسی طرح یہ تمام جانور، یہ گھاس اور فصلیں سب مٹی ہی ہیں۔ مٹی کو مختلف روپ دے دیا گیا ہے کوئی دودھ کی صورت میں تبدیل ہوگی اور کوئی گوشت کی شکل اختیار کرے گی۔ سو یہ اجزائے خاکی مختلف مشینوں سے گزرتے ہوئے مختلف شکلیں اختیار کر کے انسانی وجود تک پہنچ گئے۔ وہ ایسا قادر ہے کہ خون اور گوبر سے دودھ نکالتا ہے اور اسے خراب نہیں ہونے دیتا۔ مزید آگے بڑھیں تو دیکھیں گے کہ انسان جو غذا کھاتا ہے اس کا اپنا حصہ گوشت پوست بنے گا۔ اس کے اعضاء و جوارح کی قوت بن کر اس کے وجود میں خون بن کر دوڑے گا مگر اللہ کریم اس میں سے کسی اور انسان کو پیدا کرنے کے لئے جو خاکی ذرات بہم پہنچا رہا ہے

وہ اس کے جسم میں محفوظ کر دیتا ہے۔ کھا کوئی رہا ہے اور جمع کسی دوسرے وجود کے لئے ہو رہا ہے، یوں غذا تو ماں کھاتی ہے لیکن جو اس کے اپنے وجود کے خاکی ذرات ہیں وہی اس کے وجود کی تکمیل کرتے ہیں۔ بچہ اگر پیٹ میں ہے تو اس کا حصہ اسے وہاں پہنچے گا اور اگر شیر خوار ہے تو دودھ کی شکل میں وہ اپنا حصہ حاصل کرے گا۔ اور یہ سب کچھ اتفاقاً نہیں ہوتا۔ وہ اجزاء مقرر ہیں جنہیں اللہ کریم یہاں سے لے کر اس تک پہنچاتا ہے یہ قادرِ مطلق کا ایک مربوط نظام ہے جسے نہ کوئی روک سکتا ہے نہ توڑ سکتا ہے اور نہ ہی چھین سکتا ہے اگر کسی کو دولت دیتا ہے تو اللہ کے بعض بندے تلاش کرتے ہیں کہ کس کا حصہ میرے پاس پہنچ گیا اس تک پہنچا کر ہی دم لیتا ہے۔ اور اگر کوئی ہاتھ توڑ کر بیٹھ جائے تو خدا اسے ایسی مصیبت میں ڈالتا ہے۔ کہ وہ دردر پھرتا ہے۔ لوگوں سے بھیک مانگتا ہے۔ سو اس طرح اللہ کریم نے ذراتِ خاکی کو بے شمار، اشکال، بے شمار روپ اور بے شمار صورتیں بے شمار خاصیتیں عطا فرمائی ہیں اور انھیں مختلف طرز سے تخلیق فرمایا۔ حقیقتاً سارے کے سارے خلق لکم ما فی الارض جمیعا زمین میں جو کچھ بھی ہے اللہ کریم نے تخلیق فرمایا ہے سارے کا سارا انسان کی خدمت کے لئے وقف

ہو چکا ہے کوئی اس کے اس وجود کے ذرات کو اس تک پہنچانے کا سبب ہے۔ کوئی انہی ذرات کو مختلف فصلوں کا روپ دینے کا سبب ہے۔ سورج انہی کو پکا رہا ہے۔ چاند انہی میں مٹھاس ڈال رہا ہے۔ ہوا انہی کو لوریاں دے رہی ہے۔ اور بارش انہی کی آب یاری کر رہی ہے سو یہ سارا نظام انسانی خدمت پر مامور ہے اب جو قادرِ مطلق ماں کے پیٹ اور سینے سے بچے کے اجزائے خاکی کو نکال لیتا ہے وہاں برزخ میں کیا اشکال رہ جاتا ہے کہ فلاں کو جانور کھا گیا، فلاں جل کر راکھ ہو گیا۔ جو جہاں تک بھی پہنچے گا۔ اللہ کریم اسے اپنے اصلی وجود تک پہنچانے پر قادر ہے۔ موجودہ تحقیق کے مطابق آدمی بیمار پڑ جائے تو ڈاکٹر کہتے ہیں کہ فلاں بیماری کے جراثیم اس کے جسم میں موجود ہیں۔ اور یہ پانچ دس نہیں اربوں کی تعداد میں موجود ہیں۔ یہ جراثیم پیدا ہوتے ہیں، پلتے بڑھتے ہیں اور پھر ادویات سے یہ ہلاک ہو جاتے ہیں اور مریض صحت یاب ہو جاتا ہے۔ یہ سب کتھا ڈاکٹر سناتا ہے اور ہم مان لیتے ہیں حالانکہ ہم نے تو کوئی جراثیم دیکھا نہ جسم میں انہیں پلتے یا مرتے دیکھا۔ گویا ان جراثیم کو اللہ کریم کی طرف سے انعام بھی ملا اور پھر عذابِ الٰہی میں گرفتار ہو کر ہلاک بھی ہو گئے۔ اسی طرح وہ قادر ہے کہ اگر کسی کو درندہ کھا جائے تو بظاہر وہ درندے کے وجود کا حصہ بن گیا مگر اللہ چاہے تو اسے آنا دبھی کر سکتا ہے اور درندے کو محسوس تک نہیں ہوتا، لیکن ان سب باتوں کی سمجھ تب آتی ہے جب پہلے خدا کو قادر مانے۔ اگر خدا کی قدرت ہی میں شک ہو اور خدا کو بھی معاذ اللہ اپنے آپ پر قیاس کرے اور اپنی عقل سے خدا کو ناپے تو سیدھی سی بات ہے کہ مجذوب سے کسی نے پوچھا تھا کہ عقل کیا ہے۔ فرمایا جو خدا کو پاوے پوچھا گیا خدا کیسا ہے جواب دیا جو عقل میں نہ آئے سو جو تیری عقل میں آجائے گا وہ حادث ہو گا خدا نہیں ہو گا۔ عقل محدود ہے۔ اس کی ایک حد ہے یہ مخلوق ہے۔ اس کی ابتداء ہے، انتہا ہے۔ یہ ایک حد تک دیکھ سکتی ہے اس سے آگے عاجز ہے اور اس کے احاطے میں جو شے آئے گی وہ مخلوق ہو گی ذاتِ باری کو یہ کیسے محیط ہو سکتی ہے؟ جو اپنی عقل سے قدرتِ باری تعالیٰ کو ناپتا ہے اسے اس کی سمجھ نہیں آسکتی۔ خدا کو خدا ہی سمجھا جانا چاہیئے اپنے آپ پر قیاس نہیں کرنا چاہیئے کیا ہم نہیں دیکھتے کہ آسمان سے ایک ہی قسم کا پانی برستا ہے۔ بے رنگ، بے بو، بے ذائقہ مگر زمین سے اربوں تنکے گل بکف زمین سے نکلیں گے ہر گل کا رنگ الگ ہو گا۔ ہر پھول کا حجم اور

خاصیت جُدا ہوگی ۔ حکیم کسی کو زکام کے لئے کھلا رہے ہیں ۔ کوئی قبض کے لئے اور کوئی قبض کو رفع کرنے کے لئے کوئی بخار توڑنے کے لئے استعمال ہورہا ہے اور کسی کو اگر غلطی سے کھا لیا جائے تو بخار چڑھ جاتا ہے ۔ ہر تنکا اپنی زبانِ صفات سے اللہ کی وحدانیت کا قائل اور اس کی صنعت کا گواہ ہے، کون ہے جو زیرِ زمین پھولوں میں رنگ بھر رہا ہے، کون ہے جو ان میں خوشبو بسا رہا ہے کون ہے جو ان میں صحت پیدا کرتا ہے ۔

انسان کو بھی اللہ کریم نے عقلِ سلیم عطا فرمائی ۔ اسے یہ قوت عطا فرمائی کہ اس نے ہر دور میں عجیب و غریب چیزیں ایجاد کیں، خصوصاً موجودہ زمانہ میں موٹریں ہوائی جہاز، ٹی وی وغیرہ بنائے گئے مگر تخلیق باری اور صنعتِ باری میں ایک فرق ہے ۔ ایک گھاس کا تنکا زمین سے ہی نکل سکتا ہے، کسی مشین میں نہیں بن سکتا ۔ ایک مکھی کا پر اگر ٹوٹ جائے تو مکھی کے وجود ہی سے نکلے گا کسی کارخانے میں نہیں بنایا جا سکتا ۔ صنعتِ باری اور صنعتِ انسانی میں کتنا بڑا فرق ہے کہ ربِّ قدیر نے جو ادنیٰ سی چیز بنائی، اعلیٰ سے اعلیٰ انسانی دماغ اس کی نقل تک پیدا نہیں کر سکتا کوئی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ میں نے ایک نقلی چیونٹی پیدا کر دی ہے جو اپنی خوراک تلاش کرتی ہے گرمی اور سردی کو تلاش کرتی ہے ۔ گرمی اور سردی کو محسوس کرتی ہے ۔ خشکی اور تری میں اپنی حفاظت کا احساس رکھتی ہے، انڈے دیتی اور بچے پیدا کرتی ہے ۔ اپنا گھر بناتی ہے ۔ یہ ربّ ہی ہے جس نے چیونٹی کے دل میں پورا نظامِ حیات القاء فرما دیا ۔ لہٰذا وہ ایسا قادر ہے کہ اس کی تخلیق میں کوئی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا ۔ اور اسی کو اگر اجزائے انسانی کو اکٹھا کرنے، انہیں ثواب و عذاب دینے میں عاجز مان لیا جائے تو گویا خدا کو خدا مانا ہی نہیں گیا ۔ ایسی باتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے سے پہلے کہنا چاہئیں ۔ عجیب بات ہے کہ ایک ہستی کو اللہ تعالےٰ کا رسول مان لیا جائے اور پھر اس کے ارشادات میں شک بھی کیا جائے ۔ یہ دونوں باتیں ایک وقت میں اکٹھی نہیں ہو سکتیں ۔ یہ تحقیق کرنا کہ یہ ارشاد واقعی نبیٔ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے یا نہیں اور بات ہے اور اس تحقیق کے درپے ہونا کہ فرمایا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی ہے مگر ہوگا کیسے یہ الگ بات ہے سو اگر اس میں دوسری طرح کی تحقیق میں پڑ جائے تو گویا اس نے نہ نبیؐ کو نبی پہچانا اور نہ ہی خدا کو خدا مانا ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تو شان یہ ہے کہ ما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحیٌ یوحیٰ ۔ کوئی سوچے تو کہ حشر اجساد مشکل ہے یا انسان کو پیدا کرنا ۔ ماں کے پیٹ میں بچہ پرورش پا رہا ہے، نہ ماں کو خبر ہے کہ کیا بن رہا ہے نہ بچے کو پتہ ہے کہ میں کیا بن رہا ہوں، ماں بھی نہیں

کہ بچہ ہے یا بچی ہے، خوبصورت ہے یا بدصورت کمزور ہے یا صحت مند، کالا ہے یا گورا۔ دنیا میں چند روز رہے گا یا طویل عمر پائے گا۔ موجودہ دور کی ترقی یافتہ سائنس بھی عاجز ہے کہ وہ یہ بتا سکے کہ ماں کے پیٹ میں لڑکا ہے یا لڑکی۔ وہ ایسا قادر ہے کہ پیٹ کے تہہ میں اور اندھیروں میں انسان کی تخلیق کرتا ہے۔

ذرا دیکھیے تو سہی کہ خاکی ذرات کو اس نے کہاں کہاں سے اکٹھا کیا، کہاں گندم اُگایا، کہاں کھانڈ بنی کہاں بکی۔ کہاں آئی، کہیں گائے اور مرغ پیدا کیئے کہیں ہرن بنائے۔ یہ سب مٹی کے کھلونے ہیں، سب مٹی سے بن رہے ہیں۔ مٹی کی مختلف شکلیں ہیں اور انسان تک دودھ گوشت اور کھانڈ بن کر پہنچ رہے ہیں، کہیں یہی مٹی آٹا اور غلہ بن کر مختلف مراحل سے گزرتی ہوئی اس تک پہنچی، نہ فیکٹری والا اسے اڑا سکا نہ تندور والا اسے جلا سکا جس کے حصہ میں وہ مٹی تھی اس تک پہنچ کر رہی، کھا کوئی رہا ہے اور اس کے جسم میں کسی دوسرے کے لیئے محفوظ کی جا رہی ہے۔ آپ دیکھیں کہ وہ جانور کے خون اور گوبر سے دودھ کیسے الگ کرتا ہے، بیس سیر دودھ دینے والے جانور کو کاٹ لیں اب اس میں سے ایک چھینٹ تک دودھ برآمد نہیں کر سکتے۔ سارے خون کو مشینوں میں ڈال کر پھینٹیں، سارے گوشت کو پیس کر رکھ دیں طرح طرح کی چھلنیوں میں چھان لیں مگر ایک چھٹانک دودھ حاصل نہیں ہو سکے گا۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کا کام ہے۔ ہماری گندم امریکہ سے آ رہی ہے کھانے کا تیل کسی اور ملک سے منگایا جا رہا ہے، ذرا خیال کیجیے کہ کہاں کہاں سے ذراتِ خاکی آ آ کر ایک وجود میں اکٹھے ہو رہے ہیں۔ پھر انہیں ایک انسان کی پشت میں رکھا اور ایک قطرہ بنا کر دوسرے انسان کو منتقل کیا۔ دیکھو تو سہی اس کی حکمت اور اس کی کاریگری اور ذرا اپنی پیدائش پر غور کر۔ کیا تجھے یہ زیب دیتا ہے کہ تو خدا کے مقابلہ میں آئے ایک پیشاب کے راستہ سے دوسرے پیشاب کے راستہ سے پیدا کیا اس وقت تو نے کیوں ضد نہیں کی۔ اور آج سوچتا ہے کہ تجھے خدا کیسے زندہ کرے گا تجھے ثواب و عذاب کیسے دیا جائے گا۔ کسی نے مجھ سے سوال کیا کہ انسان ہوائی جہاز سے گر کر ہلاک ہو گیا، جل کر راکھ ہو گیا۔ ایک کے ذرات دوسرے میں مل گئے ہوا اُڑا کر لے گئی میں نے کہا تو اس سوچ میں سرگرداں ہے اور میں اس میں پریشان ہوں کہ انسان کے پیٹ میں ہڈیاں کہاں سے آ گئیں۔ اس میں بال کہاں سے آ گئے، آنکھیں کیسے بن گئیں۔ یہ کسی اعلیٰ سے اعلیٰ مشین میں بھی خاصیت نہیں ہو سکتی۔ گوشت کا ایک لوتھڑا ہے اور ساری کائنات کو دیکھ رہا ہے یہ ناک نقشہ، ہاتھ پاؤں کیسے تخلیق ہو گئے۔ انسان کے پیٹ میں بندر کیوں نہیں بن جاتا۔ کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ ناک آگے کے

بجائے پیچھے بن جائے، ٹانگوں کی جگہ بازو لگ جائیں۔ کیا والدین اس کی حفاظت کرتے ہیں کیا وہاں دیکھنے پرکھنے کا کوئی سامان ہے۔ اور پھر کمال یہ ہے کہ حضرت آدمؑ سے لے کر اب تک اربوں انسان تخلیق ہوئے سب کے اجزا ایک جیسے مگر نمونے مختلف، آج تک کوئی انسان کسی دوسرے انسان کی شکل پہ پیدا نہیں ہوا۔ وہ عاجز نہیں ہے کہ بس ہو جائے کہ اب تک جو شکلیں بن چکیں انہی کی نقلیں اُتاری جائیں۔ عجیب حکمتِ باری ہے ایک انسان کے سبب اور ایک ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتے ہیں۔ اور ایک کروڑوں میں کھیل رہا ہے اور دوسرا کوڑی کوڑی کو ترس رہا ہے۔ ایک پہلوان ہے اور دوسرا مریض۔ ایک تاجر ہوتا ہے اور دوسرا اس کا نوکر۔ یہاں ایک دیوانہ سا نوجوان سڑک پر پھرا کرتا ہے اس کا خاندان اس تمام علاقے میں سر کردہ ہے۔ کوئی جرنیل ہے اور کوئی سفیر۔ وہ یہاں اس لئے نہیں آتے کہ زندگی کی سہولیتیں یہاں میسر نہیں اور یہ وہاں جانے کے لئے آمادہ نہیں ہوتا۔ بس آوارہ گردی کرتا رہتا ہے۔ میرے رب نے ایک ہی ماں کے پیٹ سے پیدا کئے۔ ایک حکومت کرتا ہے اور دوسرا سڑک پر دھکے کھاتا ہے کون ہے جس نے پیٹ میں ایسی دو مختلف صورتیں پیدا کیں۔ انسان بھی مشین بناتا ہے انسان بھی مختلف اشیاء ڈھالتا ہے، کروڑوں چیزیں ڈھالتا چلا جائے تو ایک دوسری سے جدا نہیں ہوتیں

یہاں باہر سینکڑوں بھیڑوں کا گلہ چر رہا ہے ہمارے نزدیک سب بھیڑیں ایک جیسی ہیں، شکل وصورت ایک ہے رنگ ایک ہے۔ لیکن چرواہا ان سب کو الگ الگ پہچانتا ہے، کوئی بھیڑ جنگل میں رہ جائے تو شام کو گھر والوں کو بتا دیتا ہے کہ فلاں بھیڑ آج غائب ہے پتہ نہیں انہوں نے حلیہ کیسے یاد کر رکھا ہوتا ہے ہمارے خیال میں وہ سب ایک جیسی ہوتی ہیں مگر چرواہے کے لئے ہر ایک کی الگ الگ شناخت ہے، لہٰذا اللہ کریم نے ان میں جو فرق رکھا ہے اسے دیکھنے سے ہم عاجز اور اندھے ہیں۔ اگر ایک بھیڑ کو گلے سے پہچاننے کے لئے چرواہا بننا پڑتا ہے تو ذاتِ باری کو پہچاننے پر جرح کیوں کرتا ہے، تو کتابیں پڑھ لے، فاضل ہو جائے گا، مُفتی بن جائے گا ریوڑ سے بھیڑ چرواہا ہی جُدا کر سکے گا اس لئے کہ اس فن سے تو نابلد ہے۔ سو اگر عالم برزخ پر جرح کرنا ہے، اور ثواب و عذاب دیکھنا ہے تو جا کسی اہل اللہ کی جوتیوں میں بیٹھ۔ عمر صرف کر اللہ اللہ کرنا سیکھ قلب کے شیشے کو چمکا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر پڑ جا۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حدیث پڑھی کہ انسان جب وضو کرتا ہے تو پانی کے ساتھ اس کے گناہ جھڑتے ہیں۔ میں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا سچ ہے۔ لیکن میں بھی دیکھوں گا۔ سو انہوں نے اپنی تمام تر علمی فضیلت کے باوجود قاضی القضاۃ اور رئیس جامعہ کا منصب چھوڑا اور جنگل میں

دس سال تک درویش بوریا نشین حضرت شیخ بو علی قلندری کے سامنے زانوے ادب تہہ کئے رکھا۔ پھر اللہ کریم نے انہیں وہ بصیرت عطا کی کہ لوگ غسل کرتے تھے اور وہ دیکھتے تھے کہ یہ پانی بدکار اور زانی کے جسم سے گر رہا ہے اور یہ نیک انسان کے وجود کا پانی ہے کوئی وضو کرتا تھا اور یہ دیکھتے تھے کہ اس کے ساتھ اس کی خطائیں کیسے جھڑتی ہیں۔ اب اگر اس پر جرح کرنی ہے تو غزالی بن کر دیکھ۔ ایک بھیڑ کو پہچاننے کے لئے چرواہا بننا پڑتا ہے تو ثواب و عذاب پر جرح کرنے کے لئے بھی تجھے وقت صرف کرنا ہوگا محنت کرنا پڑے گی اس فن کے حامل شخص کی خدمت میں رہ کر اس فن کی تحصیل کرنا ہوگی۔

لہٰذا اس چھوٹے سے فقرے میں حضرت صالحؑ نے فرمایا کہ اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا عبادت کا کوئی مستحق نہیں اسی نے تمہیں زمین سے تخلیق فرمایا۔ کوئی دوسرا اس طرح تخلیق نہیں کر سکتا اور اسی نے تمہیں زمین پر رہنے کی توفیق بخشی سو اگر اس زمین میں رہنا ہے اور عزت آبرو سے رہنا ہے تو طریقہ یہ ہے فاستغفروہ ہمہ وقت اس سے معافی مانگتے رہو۔ اس لئے کہ ہماری تمام تر عبادتیں اور نیکیاں اس قابل نہیں کہ اللہ کی بارگاہ میں مقبول ہوں اور گناہ کی تو بات ہی الگ ہے، اس لئے ثم توبوا الیہ ہمہ وقت اللہ تعالےٰ شانہٗ کی طرف رجوع رکھو اور توبہ کرتے رہو۔ جو غلطی سرزد ہوئی۔ جو وقت گزر گیا اسے یاد رکھو۔ ایک اصول یاد رکھئے۔ آدمی جو عبادت اور عمل نیکی کرتا ہے اس کے پاس اس کی کوئی سند نہیں، نیکی تبھی نیکی بنے گی جب اللہ تعالےٰ کے ہاں مقبول ہو گی اور جو گناہ ہے اس کی سند ہمارے پاس ہے نبئ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایک گناہ سے آگاہ فرما دیا اس غلطی کا بدلہ یہ ہوگا اور اس گناہ کا بدلہ یہ ہوگا سو گناہ یقینی ہے۔ نیکی کا تو ہمیں گمان ہے۔ اس ہر وقت خدا کی خدائی میں خدا کا بندہ بن کر رہے دوسرا خدا بننے کی کوشش نہ کرے انسان کو اللہ تعالےٰ کی کائنات میں اللہ کا بندہ بن کر رہنا ہی زیب دیتا ہے اور جو غلطیاں اور گستاخیاں اس سے سرزد ہو گئیں۔ جو وقت نکل گیا اس کے لئے تو توبہ ہے۔

اِنَّ رَبِّیْ قَرِیْبٌ مُّجِیْبٌ ۝ اللہ کریم ہر لحظہ ہر شے سے قریب تر ہے اور سننے اور قبول کرنے والا بھی ہے۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

ماہنامہ المرشد پڑھیئے۔ ہمیشہ پڑھیئے چندہ سالانہ صرف ۳۵/ روپے

پروفیسر حافظ عبدالرزاق ایم، اے اسلامیات

چراغِ مصطفوی

(مُسلسل)

۵۔ عن سھل بن سعد قال۔ قال رسول اللہ صلی اللہ وسلم من یضمن لی مابین لحیتہ وما بین رجلیہ اضمن لہ الجنۃ۔

ترجمہ: حضرت سہل بن سعد روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص مجھے اس کی ضمانت دے جو اس کے دو جبڑوں کے درمیان ہے اور جو اس کی دو رانوں کے درمیان ہے میں اس کے لئے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔

تشریح: انسان کے اندر ہر وقت خواہشات کا ہجوم رہتا ہے، اور وقفے وقفے سے مختلف خواہشات ابھرتی ہیں، انسان چاہتا ہے کہ میری ہر خواہش پوری ہو یہ ایک فطری اور قدرتی عمل ہے اور یہی چیز انسان کے لئے آزمائش اور امتحان بن جاتی ہے۔ مگر امتحان میں کامیاب ہونا بھی ایک فطری خواہش ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امتحان میں کامیابی کے لئے مختلف تدابیر بتائی ہیں کہیں تو کوئی ایسا رہنما اصول بتا دیا کہ ہر حال میں اور ہر امتحان میں حضور اکرمؐ کے بتائے ہوئے کلیہ کا استعمال کامیابی کی یقینی ضمانت ہے مثلاً ارشاد فرمایا کہ مومن صرف اسی وقت کامیاب ہو سکتا ہے جب وہ اپنی ہر خواہش کو میری تعلیمات کا تابع بنا دے اور کہیں حضور اکرمؐ نے کسی خاص امتحان یا خاص "پرچے" میں کامیاب ہونے کے لئے خاص تدبیر بتائی ہے۔

انسان کے وجود میں اللہ تعالیٰ نے کچھ ایسی قوتیں رکھی ہیں جو ان خواہشات کے پیدا ہونے اور ان میں شدت پیدا کرنے کا سبب بنتی ہیں۔ ایسی قوتوں میں سے ایک زبردست قوت، قوت شہویہ ہے۔ یہ قوت انسان کو اس کی پسندیدہ چیز کے حاصل کرنے پر ابھارتی اور آمادہ کرتی ہے۔ اور انسان کی پسندیدہ چیزوں میں سے دو چیزیں ایسی ہیں کہ جب ان کی خواہش اُبھرتی ہے تو انسان اکثر اوقات ان کے سامنے ہتھیار ڈال دیتا ہے اور اس کی ناکامیوں اور نامرادیوں، تباہی اور بربادی کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے۔ اور وہ ہیں زبان کا چسکا اور جنسی میلان۔

زبان کا چسکا اور اس کے پورا کرنے کی دو صورتیں ہیں:

اوّل یہ کہ اسے زیادہ باتیں کرنے اور باتیں بنانے کی دُھن سما جاتی ہے۔ اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ صحیح اور غلط بات، مفید اور مضر بات، جائز اور ناجائز میں تمیز اُٹھ جاتی ہے پھر وہ پہلے مرحلے میں فضول اور لایعنی باتیں کرنے لگتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسا کرنا قیمتی وقت کو ضائع کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا جو زبان کی صورت میں عطا ہوئی ہے اس کی ناقدری اور ناشکری ہے۔

دوسرے مرحلے کا میدان بڑا وسیع ہے اس مرحلے پر پہنچ کر انسان، جھوٹ، غیبت، بہتان، الزام گانا وغیرہ کو اپنا شغل بنالیتا ہے اور یہ سب اللہ و رسول کی نافرمانی کی باتیں ہیں۔ تیسرا مرحلہ اس سے بھی زیادہ وسیع ہے۔ اس میں انسان طعن تشنیع، فحش، بکواس گالی، گلوچ میں لطف محسوس کرنے لگتا ہے اور اس سے بھی آگے بڑھے تو ان چیزوں کو عبادت سمجھنے لگتا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اللہ و رسول کو ناراض کرلیتا ہے۔

زبان کے چسکے کی دوسری صورت کھانے پینے کا چسکا ہے۔ کھانے پینے سے صرف پیٹ بھرنا مقصد نہیں ہوتا بلکہ مزے لینا مقصد ہوتا ہے۔ اگر آدمی کو یہ چسکا پڑ جائے تو اس صورت میں بھی جائز و ناجائز، حرام و حلال کی تمیز اُٹھ جاتی ہے اور معاشرے میں ایسا بگاڑ پیدا ہوتا ہے کہ ہر طرف لُٹی مچ جاتی ہے اور انسان اپنے بلند مقام انسانیت سے گر کر جانوروں کی صف میں آکھڑا ہوتا ہے۔ ایسی صورت

میں وہی منظر سامنے آتا ہے جو کتوں کے ہجوم میں کوئی ہڈی پھینکنے سے ہوتا ہے۔

قوت شہویہ کا دوسرا میدان جنسی میدان ہے اگر آدمی کو یہ چسکا پڑ جائے تو نتیجہ وہی نکلتا ہے کہ جائز و ناجائز حلال و حرام کی تمیز اُٹھ جاتی ہے، جنس زدہ انسانوں کا معاشرہ دراصل حیوانوں کا ایک جنگل ہوتا ہے کسی شریف آدمی کی عزت و آبرو محفوظ نہیں رہ سکتی۔

اس قوت کے ان دونوں امتحانوں میں کامیاب ہونے کے لئے حضور اکرمؐ نے دو باتیں ارشاد فرمائی ہیں ایک ہے تدبیر۔ دوسرا اس کا صلہ اور انعام تدبیر یہ بتائی کہ اس کی ضمانت دو۔ یہ لفظ بڑا جامع لفظ ہے، ضمانت کیا اور کیسے؟ ضمانت یہ ہے کہ حضور اکرمؐ کو اپنا خیر خواہ سمجھو اور یہ عہد کرو کہ حضور اکرمؐ سے پوچھے بغیر ان قوتوں کو کسی استعمال میں نہیں لاؤں گا۔

طریقہ یہ ہے کہ جس خواہش کو جس حد تک اور جس طریقے سے پورا کرنے کی اللہ اور اس کے رسولؐ نے اجازت دی ہے بس اس حد کے اندر رہو، مثلاً زبان کا چسکا ہے اگر بولنے کا شوق ہے تو اس شوق کو یوں پورا کرو کہ ایسی باتیں کرو جو دوسروں کے لئے مفید ہوں۔ کسی کو ضرر نہ پہنچے پھر سب سے زیادہ مفید باتیں وہ ہیں جن سے انسان کی آخرت سنورتی ہے اور وہ دین کی باتیں ہیں۔ ان دو صورتوں میں اپنا شوق پورا کرو اور جی بھر کے کرو۔ اس سے فارغ ہو تو اللہ کے ذکر میں زبان کو لگا دو۔

اسی طرح کھانے پینے کا چسکا ہے۔ اچھا کھاؤ پیو۔ مگر صرف دو باتوں کا خیال رکھو کہ غذا حلال ہو اور حلال ذریعے سے حاصل کی گئی ہو۔

دوسرا اصول یہ ہے کہ یہ سمجھ کے کھاؤ پیو کہ کھانا پینا زندہ رہنے کے لئے ہے زندگی صرف کھانے پینے کے لئے نہیں۔ اب اندازہ کرو کہ زبان کے سلسلے میں یہ ضمانت دینے سے کتنے فائدے حاصل ہوئے، خواہش بھی پوری ہو گئی اور معاشرے میں کوئی خرابی بھی پیدا نہ ہوئی

اسی جنسی میلان کے سلسلے میں ضمانت یہ ہے کہ اس فطری میلان اور جذبہ کی تسکین کے لئے اللہ کے رسولؐ نے جو حدود مقرر کی ہیں ان کا لحاظ رکھو۔ مثلاً اسلام نے اس فطری داعیہ کی تسکین کے لئے موزوں ترین تدبیر جو بتائی ہے وہ ہے نکاح کی پابندی۔ اس

پابندی سے آزاد ہو کہ اس جذبہ کی تسکین کا شوق سراسر حیوانیت ہے۔
دورانوں کے درمیان کی ضمانت کہنے میں بھی حضور اکرم ؐ کی حکیمانہ تربیت کا رنگ جھلکتا ہے۔ بہرصورت اس جذبہ کی تسکین کی آخری حد ہے۔ تو حضور اکرم ؐ کے ارشاد میں صرف آخری حد کا ذکر فرمایا جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ایسے ابتدائی خطروں سے بچو جو رفتہ رفتہ انسان کو اس آخری حد تک پہنچا کے چھوڑتے ہیں مثلاً اس کا پہلا درجہ نامحرم مردوں اور عورتوں کا آزادانہ خلا ملا ہے اس سے لازماً گناہ کی تحریک ہوتی ہے دیکھئے کبھی کسی نے پٹرول اور آگ کو ملا کر رکھنے کی حماقت کی ہے کبھی نہیں بلکہ آپ دیکھتے ہیں کہ پٹرول کے ٹینکوں پر جلی حروف میں لکھا ہوتا ہے۔
(HIGHLY INFLAMABLE) یعنی اس میں سخت آتش گیر شے ہے، آگ کو اس کے قریب بھی نہ آنے دو، یوں تو آزادانہ میل جول میں بھی اور نکاح کی پابندی کے ساتھ بھی مرد اور عورت کی یکجائی ہوتی ہے مگر دونوں صورتوں میں بڑا فرق ہے اس فرق کو سمجھنا ہو تو اپنے گھر میں پھیلی ہوئی بجلی کے تاروں کو دیکھو۔ مثبت اور منفی تار کہیں راستے میں ایک دوسرے کو مس کر جائیں تو زبردست دھماکا ہوتا ہے آگ لگ جاتی ہے، فیوز اُڑ جاتا ہے اور گھر میں اندھیرا ہو جاتا ہے، پنکھے چلنا بند، فرج بیکار، لیکن یہی دو تار جب بلب کے اندر مل جاتے ہیں تو گھر میں روشنی پھیلتی ہے اور اسی طرح قاعدے کے مطابق ملیں تو پنکھے چلتے ہیں اور گھر میں آرام و سکون محسوس ہونے لگتا ہے، بس یہی فرق ہے پارکوں اور کلبوں میں نامحرم مردوں عورتوں کے آزادانہ میل جول اور نکاح کی صورت میں مرد عورت کے یکجا رہنے میں۔
اسی طرح ایک اور ابتدائی خطرناک مرحلہ نظر بازی کا ہے۔ آنکھیں دیکھنے کے لئے ہیں گھورنے، اور نامناسب جگہ پر نظریں گاڑ دینے کے لئے نہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے مومن مردوں اور مومن عورتوں کو تو خصوصی تاکید فرمائی ہے کہ آنکھوں پہ کنٹرول کرنا سیکھو، کوئی نامناسب منظر اتفاقاً سامنے آجائے تو بس نگاہ کا زاویہ بدل لو اس طرح فوکس بدل جائے گا، نگاہ کا معاملہ بڑا نازک ہے آنکھ صرف فوٹو نہیں لیتی بلکہ فوراً وہ فوٹو لے کر دل کے حوالے کر دیتی ہے اور دل کی یہ مجبوری ہے کہ وہ اس کو سنبھال کے رکھ لیتا ہے پھر اس نقل پر مطمئن نہیں ہوتا بلکہ اصل کی تلاش میں نکل کھڑا ہوتا ہے، یہ فطری ترتیب ہے جبھی تو کسی اہل دل نے کہا ہے ؎

خرد نے کہہ بھی دیا لا الٰہ تو کیا حاصل ؛ دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

یہ ہے مومن کی طرف سے ضمانت کا مطالبہ اب حضور اکرم ؐ خود اس کے صلے میں کیا ضمانت دیتے ہیں۔ فرمایا میں اس کے لیے جنت کی ضمانت دیتا ہوں" کتنا بڑا صلہ ہے کتنا عظیم انعام ہے۔ جنت کیا ہے؟ قرب الٰہی کی جگہ، دیدار الٰہی کی جگہ، قرب مصطفٰے ؐ کی جگہ، محبوب حقیقی کا جوار۔ کہئے اس سے بہتر کسی انعام کا تصور

(باقی صفحہ ۵ پر)

باتیں ان کی خوشبو خوشبو

ارشادات

حضرت شیخ المکرم مدظلہ العالیہ

۱- فرمایا: کُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ الخ

قرآن مجید کی اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ اُمتِ محمدیہ (علیٰ صاحبہا التحیہ) کو دُنیا میں اس لئے بھیجا گیا ہے کہ وہ دوسروں تک اللہ کے دین کو پہنچائیں۔ انہیں دینِ حق کی دعوت دیں۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیں۔

۲- فرمایا: رسالانہ اجتماع کے موقع پر) آپ لوگ جو یہاں دُور دُور سے آتے ہیں۔ اپنی مصروفیات کو چھوڑ چھاڑ کر یہاں اس انداز سے رہتے ہیں اور اچھی خاصی مشقت برداشت کرتے ہیں تو آخر کیوں؟ اس امر پہ غور کریں کہ اس کا مقصد کیا ہے، یہی نا کہ اللہ کی رضا حاصل ہو اُس کے دین کی سمجھ اور اس پر عمل کرنا آسان ہو جائے دل میں خلوص پیدا ہو جائے۔

اب جبکہ آپ یہاں سے رخصت ہو رہے ہیں تو یاد رکھیں کہ جو چیز بحمد اللہ آپ نے یہاں سے حاصل کی ہے اور جو دولت آپ اپنے ساتھ سمیٹ کرے جا رہے ہیں اسے اللہ کی مخلوق تک پہنچائیں اور خود بھی اس کی حفاظت کریں۔ شیخ کا کام ہے تربیت کرنا اور راہنمائی کرنا اور وہ نعمت جو اللہ نے اُسے دی ہے اس کے

فیضان سے دلوں کی تشنگی کو بجھانا، اب یہ آپ کا کام ہے کہ اس کی حفاظت کریں اور پھر دوسروں کو دین کی دعوت دیں اور یہ نعمت لوگوں تک پہنچائیں۔

۳۔ فرمایا: • اتباعِ سُنت کا خاص اہتمام کریں۔

• ۔نماز کی پابندی کریں

• ۔نماز خشوع وخضوع اور تعدیل ارکان کے ساتھ ادا کریں۔ ذکرِ الٰہی پر مداومت اختیار کریں۔ اس کے بغیر اصلاحِ احوال مشکل ہے۔

۴۔ فرمایا: ذکرِ الٰہی پر مداومت ضروری ہے۔ اس کے بغیر اصلاح کا کوئی طریقہ نہیں۔ جب تک باطن کی اصلاح نہ ہو ظاہر کی اصلاح بھی نہیں ہو سکتی۔ اگر ظاہر کی اصلاح کسی قدر ہو بھی جائے تو باطن کی خرابی سے آہستہ آہستہ وہ بھی ضائع ہو جاتی ہے۔

۵۔ فرمایا: سلوک اور منازل سلوک کی اہمیت کا صحیح احساس تو موت کے بعد ہی ہوگا پھر پتہ چلے گا کہ یہ کتنی بڑی نعمت ہے دُنیا و ما فیہا اور یہاں کی دولت وثروت اور حکومت وغیرہ اس کے مقابلے میں ہیچ ہے اگر اللہ تعالےٰ اپنے فضل وکرم سے یہ نعمت کسی کو عطا فرما دے تو پھر یہ ہر چیز سے مستغنی کر دیتی ہے۔

ایں آں سعادت ہست کہ حسرت برد بریں

جویانِ تختِ قیصر و ملکِ سکندری

اس دُنیا میں سب سے بڑی چیز یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ علوم شریعت عطا کر دے اور اس کے بعد پورا پورا (مکمل طور پر) علوم باطنی عطا کر دے، یہ بہت بڑی سعادت ہے،

۶۔ فرمایا: منازلِ سلوک جو کہ دراصل منازل قرب ہیں ان کا مدار اتباعِ شریعت پر ہے اور دوسری بات یہ ہے شیخ مقتدا سے خلوص قلبی ہو ورنہ یہ دولت حاصل کرنا محال ہے۔

۷۔ فرمایا:۔ تصوف تو سارے کا سارا ادب ہے، اس کے بغیر کام نہیں چلتا جس شخص سے آپ فیض لینا چاہتے ہیں یا جو آپ کو توجہ دیتا ہے، معمول کراتا ہے۔ اس کا ادب ضروری ہے ورنہ اس راہ میں بغیر ادب واحترام کے فائدہ ممکن نہیں۔ وہ لوگ جو شیخ کی طرف سے معمول کرانے پر مقرر ہیں اُس کی حیثیت بڑے بھائی کی سی ہے ان کا

احترام ضروری ہے اور انھیں چاہیئے کہ وہ چھوٹے بھائیوں کی تربیت کریں اور ان سے شفقت و محبت کا سلوک کریں۔ لیکن یاد رہے کہ ادب اطاعت اور احترام اتباع شریعت کیساتھ مشروط ہے اگر معاملہ برعکس ہو تو پھر لا طاعۃ لمخلوق فی معیصیۃ الخالق۔

۸۔ فرمایا۔ لطائف، مراقبات، سالک المجذوبی اور منازل یہ سب عبادات میں داخل ہیں۔ ان کی اہمیت کا صحیح علم تو موت کے بعد ہوگا۔ اس کے بعد لسانی اذکار ہیں۔ تو قرآن کریم کی تلاوت کریں ذکر نفی اثبات لا الٰہ الا اللہ کی کثرت کریں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود کثرت سے بھیجیں۔ استغفار پڑھیں کم از کم ایک تسبیح کی مقدار دن رات میں ضرور پوری کریں۔ رات سونے سے پہلے دس مرتبہ یا بیس مرتبہ لا الٰہ الا اللہ ضرور پڑھیں۔ سورۂ اخلاص پڑھیں۔

۹۔ فرمایا۔ اگر کسی شخص کو تنگدستی ہو تو میری طرف سے تمام جماعت کو اجازت ہے کہ اول آخر درود شریف اور لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم پانچ تسبیح پڑھیں۔ انشاءاللہ تعالےٰ کچھ مدت کے بعد یہ تکلیف دور ہو جائے گی۔

۱۰۔ فرمایا:۔ جب ذکر الٰہی دل میں سما جاتا ہے تو اس کی اصلاح شروع ہو جاتی ہے اس سے پیشتر جن خواہشات، عقائد اور مرغوبات نے ڈیرہ جما رکھا ہے ذکر الٰہی انہیں وہاں سے نکال باہر پھینک دیتا ہے، شرک، تکبر، انانیت اور دوسری خبائثیں بالآخر وہاں سے نکل جاتی ہیں۔

صوفیائے کرام نے بطریق علم اعتبار اس آیت سے اس مضمون کو اخذ کیا ہے ان الملوک اذا دخلوا قریۃ افسدوھا وجعلوا اعزۃ اھلھا اذلۃ الخ " جب بادشاہ کسی ملک میں فاتحانہ داخل ہوتے ہیں تو وہاں کی تمام سابقہ حالات کو بدل دیتے ہیں اسی طرح جب سلطانِ ذکر دل میں سما جاتا ہے تو وہاں سے غیروں کے تسلط کو ختم کر دیتا ہے۔

۱۱۔ فرمایا: صحابہ کرامؓ کا بڑا مقام ہے، دنیا میں اسلام صحابہ کرامؓ نے

پھیلایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں "نجوم ہدایت" اور "لسان نبوت" کے اعزازات سے نوازا ــــ صحابہ کرامؓ نے دین براہِ راست حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کیا۔ اور بے کم و کاست دوسروں تک اس پیغام ربانی کو پہنچایا۔ اگر ان سے اعتماد اٹھا لیا جائے تو پھر دین ہاتھ سے جاتا رہیگا

۱۲۔ فرمایا: نبئ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کامل وارث وہ ہے جس نے نبوت کے دونوں پہلو یعنی علم نبوت اور انوارِ نبوت سے حصہ پایا ہو۔ ورنہ اُوتوا نصیبًا من الکتاب کے مصداق، پورا وارث نہیں ہو سکتا۔

اہل سُنت والجماعت کے حق پر ہونے کی یہی وجہ ہے کہ انہوں نے نبوت کے دونوں پہلوؤں کو سنبھالا۔ نبوت کے ظاہری پہلو کو مذاہب اربعہ نے اور اس کے باطنی پہلو کو سلاسل اربعہ نے سنبھال لیا ہے۔

ضرورتِ رشتہ

ادارۂ "المرشد" سلسلۂ نقشبندیہ اویسیہ کے متوسلین کو موزوں رشتہ کی تلاش میں آسانی بہم پہنچانے کے لئے اپنی خدمات پیش کرتا ہے۔ اس لئے ضرورت مند حضرات اپنے بیٹوں / بیٹیوں کے کوائف (عمر، تعلیم، قوم، پیشہ، معاشی حالت وغیرہ) ایڈیٹر المرشد الحسنات منزل چکوال کے نام بھیجدیں

حقوقُ العِباد

قادری
ایم، اے

کچھ لو اور کچھ دو کا اُصول ہی انسانی سوسائٹی کے قیام کا سبب ہے اس کے بغیر تجارت اور نہ ہی آپس کے تعلقات قائم رہ سکتے ہیں۔ اسی اصول کو چھوڑ دینے سے سارا معاشرہ ڈانواں ڈول ہو جاتا ہے۔ اسلام نے میزانِ عدل کے اس انتشار کو دُور کرنے پر خصوصی توجہ دی ہے ۔ دنیا کی ہر چیز سے انسان کا ایک تعلق ہے کیونکہ ارشادِ باری ہے خلق لکم ما فی الارض جمیعًا کائنات کی ہر چیز سے اسے نفع حاصل کرنا ہے تو اب ان کی حفاظت اور بہتری کی کوشش بھی تو اسی کے سپرد ہونی چاہیئے۔ یہی ذمہ داری ادائیگی حقوق کہلاتی ہے اللہ کریم کا فرمان ہے وفی اموالھم حق للسائل والمحروم ترجمہ: اور ان کے مالوں میں سائل اور اس کا حق ہے جس کو کوئی مالی اُفتاد آپڑی ہے۔

حدیث شریف میں ہے ان لزوجك عليك حقًا ولا هلك عليك حقًا (بخاری ۳)

اعمال کی شاخیں

عبادات اور معاملات اعمالِ انسانی کے دو بڑے حصے ہیں ۔ عبادات کا تعلق چونکہ انسان کی اپنی ذات سے ہے اس لئے یہ حصّہ تو آسان ہے نیز ہر شخص اپنے اعمال سے بخوبی آگاہ ہوتا ہے ۔ کہیں بھی کمی ہو تو انسان ضرور بے اطمینانی محسوس کرتا ہے اس مایوسی کو دُور کرنے کے لئے عبادات کا آسان راستہ ہی تلاش کرتا ہے معاملات کا تعلق عملی زندگی سے ہے لہذا یہ حصہ خاصا مشکل لگتا ہے نیک اور پارسا بھی اس طرف بہت کم توجہ دیتے ہیں۔ کسی سے زیادتی نہ کرنا مستعار لی ہوئی چیز کی پوری حفاظت اور واپسی کسی سے کی ہوئی زیادتیوں کی دوبارہ جا کر اسی سے معافی مانگنا ۔ یہ سارے کام خاصے مشکل دکھائی دیتے ہیں ۔

معاملاتِ انسانی کی اہمیت

معاملاتِ انسانی کا اندازہ اس بات سے بخوبی

ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حج کی فرضیت ایک بندۂ مومن پر اس وقت تک نہیں کی جب تک کہ وہ انسانی حقوق را اپنے اہل وعیال کے خورد و نوش کا سامان پورا نہ کرے، زکوٰۃ بھی تو اسی مال پر فرض ہے جو اپنے اہل وعیال کی ضروریات سے زیادہ ہو یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنا حق اس وقت تک بندہ پر واجب نہیں کیا جب تک وہ بندوں کے حقوق پورے نہ کرے۔ حقوق اللہ کی معافی خود رب کریم فرمائیں گے لیکن حقوق العباد اس وقت تک معاف نہیں کئے جائیں گے جب تک جس بندے کا حق تھا وہ خود معاف کرے۔

حقوق کی ترتیب و تقسیم

انسان کا تعلق چونکہ کائنات کی ہر چیز نباتات جمادات، حیوانات اور انسانوں بلکہ خود اپنے آپ سے بھی ہے اسلام نے ان حقوق کو ترتیب وار تقسیم کیا ہے۔ اور ہر ایک کا الگ الگ درجہ مقرر کیا ہے۔ کیونکہ ممکن ہے ایک وقت میں ایک ایسے شخص کی مدد کے کئی مستحق ہوں لیکن وہ ہے کہ صرف ایک ہی کی مدد ایک وقت میں کرسکنے کے قابل ہے۔ اس کی بیمار ماں، بوڑھا باپ، کمزور بھائی اور کسی مصیبت میں پھنسا ہوا پڑوسی یا دوست سبھی اس کی مدد کے خواہاں ہیں۔ تو اب سب سے پہلے اس

اس کی ماں، پھر باپ، بھائی اور اس کے بعد پڑوسی یا اہل محلہ کا نمبر ہوگا۔ یہ ایثار ہرگز نہیں کہلائے گا کہ ماں کو چھوڑ کر دوست کی تیمارداری کرنے لگے

قرآنِ کریم نے اس کی ترتیب یوں بیان کی ہے:۔

وبالوالدین احسانا وبذی القربیٰ الخ (النسآء)

ترجمہ: "ماں باپ، اور قرابت والوں اور یتیموں اور محتاجوں اور رشتہ داروں، ہمسایوں اور اجنبی ہمسایوں اور رفقائے پہلو (پاس بیٹھنے والوں) اور جو لوگ تمہارے قبضے میں ہوں سب کے ساتھ احسان کرو"۔

والدین کا حق

خدائے کریم نے بارہ مختلف آیات میں والدین کے حقوق کا حکم دیا ہے سورہ بنی اسرائیل میں فرمایا

وقضیٰ ربك ان لا تعبدوا الا ایاہ الخ

ترجمہ: اور تمہارے پروردگار نے ارشاد فرمایا ہے کہ اُس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور اپنے ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرتے رہو اگر ان میں ایک یا دونوں تمہارے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کو اُف تک نہ کہنا اور نہ جھڑکنا اور ان سے ادب سے بات کرنا"

والدین کے ان حقوق کی تشریح حضورؐ نے اس طرح فرمائی ۔

فرمایا! جنت ماں کے قدموں میں ہے، یعنی ماں کی خدمت سے جنت حاصل کی جا سکتی ہے۔

حضرت ابو امامہؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے حاضر ہو کر سوال کیا۔ ما حق الوالدین علی ولدھما اولاد پر والدین کا کیا حق ہے فرمایا ھما جنتک و نارک (ابن ماجہ) جواباً فرمایا وہی تمہارے لئے جنت اور وہی دوزخ بھی ہیں یعنی انھی کی خوشی اور خدمت سے جنت اور انہی کی ناراضگی تمہارے جہنم جانے کا سبب بن سکتی ہے۔

ماں کے حق کی اہمیت:

جآء رجل الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انی صحبت باُمّی من الیمن، لی ظھری الاخرۃ۔ (الوعی العد ۵۸) یعنی یہ کافی طویل حدیث مبارک ہے جس کا ترجمہ یہ ہے:

ایک شخص حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ عرض کی — اے اللہ کے رسولؐ میں نے یمن سے حج کا سفر ضعیفہ ماں کو کندھوں پر سوار کر کے سفر طواف، سعی، عرفات و مزدلفہ کا قیام کیا۔ معذور ماں کی جگہ میں نے ہی جمرات پر کنکریاں بھی ماریں ہر جگہ اُسے اپنی پیٹھ پہ اٹھائے رکھا تو کیا میں نے اس کا حق ادا کر دیا۔؟

اللہ کے رسولؐ فرمانے لگے نہیں!

حیرانی میں اس شخص نے استفسار کیا کیوں نہیں؟

جواب ملا جیسے تم نے اسے اس ضعف و ناتوانی میں اٹھایا اس نے تمہارے بچپن کی کمزوری میں تجھے بھی تو اُٹھائے رکھا لیکن اس وقت اس کی خواہش تمہارے صحت مند و جوان ہونے کی تھی جبکہ تو اٹھائے ہوئے اس کی موت کی تمنا کر رہا تھا۔

والدین کی وفات کے بعد ان سے حسن سلوک کی صورتیں

حضرت ابو اسید مالک ابن ربیعہ ساعدیؓ کہتے ہیں کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے کہ بنو سلمہ کا ایک آدمی آیا اس نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسولؐ میرے والدین وفات پا چکے ہیں تو کیا ان کا کوئی حق میرے ذمہ باقی رہ گیا ہے جس سے ادا کرنا چاہیئے؟

آپؐ نے فرمایا ہاں والدین کے مرنے کے بعد اولاد پر ان کا یہ حق ہے کہ ان کے لئے دعاء و استغفار کرتے رہیں۔ ان کی وصیتیں پوری کریں ان سے تعلق رکھنے والے رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک کریں ماں باپ کے دوست

اور احباب کی عزت کریں اور خاطر داری کریں۔"

والدین کے لئے دعا و استغفار

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اگر کسی کے ماں باپ دونوں انتقال کر جائیں اور یہ ان کی زندگی میں نافرمان رہا (پھر اس کو ہوش آجائے) تو یہ برابر ان کے حق میں دعا کرتا رہے تو اس آدمی کو اللہ تعالیٰ والدین کا فرمانبردار قرار دیکر نافرمانی کے وبال سے بچالے گا" (بیہقی)

اولاد کے حقوق

اسلام نے جس طرح اولاد پر ماں باپ کے حقوق مقرر کئے ہیں اسی طرح ماں باپ پر بھی اولاد کے کچھ حق رکھے ہیں۔ کھلانا، پلانا، پہننا تو ظاہر ہے اس کا پورا کرنا تو ایک فطری اور طبعی احساس ہے لیکن جن حقوق میں اکثر ہم سے کوتاہی ہو رہی ہے انہی کی یاد دہانی ضروری ہے۔

اللہ کا حکم ہے:-

یا ایھا الذین امنو اقوا انفسکم واھلیکم نارا (تحریم)

ترجمہ: اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنی اولادوں کو جہنم سے بچاؤ۔"

باپ کی طرف سے اولاد کے لئے اس سے بہتر کوئی عطیہ نہیں کہ وہ ان کی اچھی تربیت کرے جہنم سے محفوظ رہنے کی تدابیر، رحمت خداوندی کے حصول کے طریقے اور حلال و پاکیزہ روزی سے اولاد کی پرورش کی جائے ارشاد نبوی ہے "اعمال کے پلڑے میں جو چیز سب سے پہلے رکھی جائے گی وہ اپنے کنبے پر کیا ہوا خرچ ہے (مسلم)

ناجائز ذرائع کی دولت

سید المرسلین کا ارشاد ہے "اگر کوئی شخص ناجائز ذرائع کی آمدنی اہل و عیال پر خرچ کریگا تو قیامت کے دن سب سے پہلے اس کے خلاف دعویٰ کرنے والے اس کے اپنے ہی گھر والے ہوں گے جو اللہ کے حضور عرض کریں گے" اے ہمارے پروردگار! تو ہمارے درمیان انصاف فرما! ہم مجرم ہیں یا ہمارے والدین، ہم نادان تھے ہمارے ماں باپ نے ہمیں حرام کھلایا ہماری تربیت میں کوتاہی کی لہذا ہم جہنم کے مستحق ٹھہرائے گئے"

تربیت و نگہداشت ماں کا ذمہ ہے جبکہ خرچ کی ذمہ داری باپ پر جب تک کہ لڑکا

خود کمانے کے لائق نہ ہو جائے اور لڑکی کی شادی کے بعد اس کا خاوند اس کا کفیل نہ بن جائے۔

رُوحانی تربیت

بچے کی تربیت پیدائش کے وقت ہی اس کے کان میں اذان کہہ کر جس روحانی تربیت کی ابتدا ہوتی ہے نماز اور دیگر ارکان اسلام اور اخلاقیات کے ذریعہ اس کی تکمیل کرنا بھی والدین کا فریضہ ہے۔

ترجیح لڑکے کو محض جنس کے اختلاف کی وجہ سے ترجیح نہ دی جائے نہ ہی چھوٹے بڑے ہونے کی وجہ سے کسی بچے میں امتیاز رکھا جائے ان میں سے کسی ایک کو بلا وجہ عطیہ دینا ظلم سے تعبیر کیا گیا ہے۔

ہمسایہ کے حقوق:

صحابہؓ کے مجمع میں ایک روز آپؐ تشریف رکھتے تھے ایک خاص دلنشین انداز میں فرمایا خدا کی قسم وہ مومن نہیں ہو گا۔

خدا کی قسم . . . . . . ؟ جاں نثاروں نے پوچھا کون؟ یا رسول اللہ!

فرمایا۔ "وہ جس کے پڑوسی اس کی شرارتوں سے محفوظ نہیں"

نیز فرمایا من کان یومن باللہ والیوم الآخر فلیکرم جارہٗ ۔کس دلنشین انداز میں ہمسایہ کے حقوق کی اہمیت واضح کی۔کہ جس کا بھی اللہ پر ایمان اور آخرت کے حساب و کتاب کا یقین ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ اپنے ہمسایہ کا خیال رکھے"۔خوشی اور غمی میں ہر وقت اس کا ساتھ دینا، جائز خدمت کرنا۔جہاں تک ممکن ہو ان کی مدد کرنا۔کسی کے اچھا یا بُرا ہونے کی پہچان ہی اس کے ہمسایوں کا اس کے متعلق اچھا یا بُرا گمان ہے، ہمسائیگی کی حد چالیس گھروں تک ہے

عام مسلمانوں کے حقوق

آدمی اپنی ذات کو ہر بھلائی پہنچانا چاہتا ہے اور ہر نقصان سے بچنا چاہتا ہے وہ چاہتا ہے کہ معاشرے میں اس کی عزت ہو اس کی عزت۔ دجان محفوظ ہو اس سے حسد نہ کیا جائے اس کی غیبت نہ ہو اس کا مال نہ کھایا جائے تو اسلام کا حکم اس کے لئے لا یومن احدکم حتیٰ یحب لاخیہ ما یحب لنفسہٖ کوئی اس وقت تک مومن کہلانے کا ہی مستحق نہیں جب تک کہ اپنے مسلمان بھائی کے لئے بھی وہی کچھ پسند نہ کرے جو اپنے لئے کرتا ہے۔ عام مسلمانوں کے ساتھ ہمدردی خلوص اور وفاداری یہ ہے کہ ان کی ہمدردی

اور خیر خواہی کا پورا خیال رکھا جائے۔ ان کے نفع ونقصان کو اپنا نفع و نقصان سمجھا جائے ان کی جائز اور ممکن خدمات کی جائے۔ کیونکہ دین تو نام ہی خلوص اور وفاداری کا ہے جو اپنے بھائی سے کی جائے۔

ہر شخص کی خواہش ہوتی ہے کہ کوئی نہ کوئی اس کا مددگار ہو۔ جتنا مضبوط و طاقتور مددگار ہوگا اتنی ہی اس کی تسلی ہوگی۔ اللہ تعالےٰ فی عون العبد ما کان العبد فی عون اخیہ جب تک کوئی بندہ کسی بھائی کی مدد میں لگا رہے گا اللہ اس کا مددگار رہے گا، جو کسی مومن کی دنیوی مصیبت دور کرے گا اللہ تعالےٰ اس کی آخرت کے مصائب میں سے مصیبتیں دور فرمائیں گے جو مسلمان کی پردہ پوشی کرتا ہے اللہ اس کی دونوں جہانوں میں پردہ پوشی فرمائیں گے کون چاہتا ہے کہ وہ لوگوں کے سامنے بے آبرو ذلیل ہو، اس کی پردہ دری ہو تو بس اس کا آسان طریقہ یہی ہے کہ بندہ دوسرے مسلمان بھائیوں کی پردہ پوشی کرے۔ "تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کرے گا،، اللہ کی رحمت کے حصول کا کس قدر آسان ذریعہ ہے۔ کیونکہ الخلق عیال اللہ یعنی ہے یہ ساری مخلوق کنبہ خدا کا۔ اور میدانِ حشر میں یہی سوال پوچھا جانے والا ہے کہ خود رب کریم پوچھیں گے میں بیمار تھا تو نے بیمار پرسی نہیں کی میں بھوکا تھا مجھے تو نے کھانا نہیں کھلایا جب بندہ عرض کرے گا، اللہ تو تو بے نیاز ہے تو اللہ فرمائیں گے میرے بندوں کی بیمار پرسی خود میری ہی تھی۔

حقوق العباد کی اس یاد آوری کے بعد اب بھلا ہم اپنے حالات کا جائزہ لیں کہ دین کے اس اہم حصے کو ہم کس قدر پورا کرتے ہیں۔ اپنی حیثیت کو بڑھانے اولاد کو اعلیٰ درجوں تک پہنچانے کے لیے مال حرام اور رشوت کو "ھذا من فضل ربی" کہکر اس کے حصول کی کوشش کی جاتی ہے۔ لیکن مخبر صادق ﷺ کے ارشاد کے مطابق اللہ کی عدالت میں اولاد ہی سب سے پہلے والدین کے خلاف مدعی ہوگی جہاں وکالت نہ ضمانت،

جس ماں کو اس قدر بلند مرتبہ بخشا ہے کیا آج اولاد اس کی فرمانبردار بھی ہے ان تلد الامہ ربتھا کیا آج ماں لونڈی کی حیثیت نہیں رکھتی۔ اولاد کی پیدائش پر خوشیاں منانے ان کو پھلنے پھولنے کی تمنا رکھنے والی ماں شادی کے بعد اسکی حیثیت اولاد کے لئے صرف ایک آیا کی صورت میں ہی قابل برداشت ہے۔ اسلام انہی حقوق العباد کی ادائیگی کی صورت میں معاشرہ کو سکون و اطمینان کی جگہ اور ایک مثالی جنت بنانا چاہتا ہے لیکن ان ہی اصولوں کو چھوڑ کر آج دنیا کو ہم نے خود اپنے ہاتھوں جہنم کدہ بنا رکھا ہے جہاں ہر بندہ دوسرے سے خائف ہے باہمی محبت و شفقت سے ہی آخرت کا گھر مل سکتا ہے تکبر اور فساد فی الارض سے نہیں ملتا۔

دیکھتا چلا گیا

سیلانی کے قلم سے

مسلسل

● صوبے کی ایک مشہور کمپنی کی بس ایک معمولی سے سٹاپ پر رکی۔ ڈرائیور اُتر کر سامنے "ہوٹل" میں داخل ہوگیا۔ ہوٹل سے مراد کوئی انٹر کانٹی نینٹل نہیں بلکہ بس سٹاپ پر چائے کی دکان کو ہوٹل ہی کہتے ہیں۔ نصف گھنٹہ سے کچھ زیادہ وقت گزر گیا تو سواریاں بے تاب اور پریشان ہونے لگیں۔ ایک صاحب ڈرائیور سے کہنے لگے چلو یار! بہت دیر ہوگئی ہے کہنے لگا میں نہیں جاؤں گا۔ پوچھا وہ کیوں؟ کہنے لگا آگے کالج ہے، لڑکے مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ یہ سنکر دو نوجوان اُترے اور ڈرائیور سے کہا ہمیں اسی کالج میں ڈیوٹی پر جانا ہے۔ ہم ضمانت دیتے ہیں کہ طلبہ تجھے کچھ نہیں کہیں گے۔ معلوم ہوتا تھا کہ وہ اسی کالج کے اساتذہ میں سے ہیں۔ چنانچہ ڈرائیور نے بادل ناخواستہ بس چلا دی راستے میں مخالف سمت سے آتی ہوئی ایک بس ملی۔ ڈرائیور نے اسے روک کر اپنے ڈرائیور بھائی سے پوچھا کالج کے لڑکے سڑک کے پاس تو نہیں تھے اس نے جواب دیا سامنے تو کوئی نہیں تھا۔ چنانچہ اسے کچھ اطمینان ہوا اور دھیرے دھیرے چل پڑا۔ جونہی ہماری بس کالج کے قریب پہنچی طلبہ کا ایک ہجوم درختوں کے جھنڈ سے نکل کر سڑک پر آ گیا۔ ڈرائیور کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ جونہی بس رکی دو تین لیڈر قسم کے لڑکے آگے بڑھے ڈرائیور کا رنگ فق ہوگیا ضمانت دینے والے دونوں حضرات فوراً اُترے انہوں نے طلبہ سے کچھ اشارہ کیا۔ طلبہ ڈرائیور کو چھوڑ کے ان کے گرد جمع ہو گئے۔ انہوں نے طلبہ سے کچھ گفتگو کی اور ایک گرانڈیل

جوان ڈرائیور کے پاس آکر کہنے لگا ان حضرات کا لحاظ ہے ورنہ تمہاری خیر نہیں تھی۔ ڈرائیور ہاتھ جوڑ کے کانپتے ہوئے کہنے لگا۔ ملک صاحب اب معاف کردیں میں آئندہ اس روٹ پر بالکل نہیں چلوں گا۔ خدا خدا کر کے ڈرائیور کی جان چھوٹی۔ مگر ایک چھوڑ اگلے سٹاپ پر پھر وہ بس سے اُترا اور غائب ہوگیا۔ کافی دیر کے بعد کنڈیکٹر نے سٹیرنگ سنبھالا اور بس سٹارٹ کی۔ پوچھا ڈرائیور کہاں گیا کہنے لگا وہ بھاگ گیا ہے پوچھا وہ کیوں؟ کہنے لگا کہ اس کا خیال نہیں یقین ہے کہ طلبہ نے ان دو حضرات کا احترام ملحوظ رکھتے ہوئے مجھے چھوڑ دیا مگر پچھلی بس پر سوار ہو کے مجھے کہیں پکڑلیں گے اور بالکل نہیں چھوڑیں گے۔

سیلانی کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ یہ اسی کمپنی کی بس ہے جس کے ڈرائیور کرال تھانہ کے پاس بڑھکیں مارتے تھے کہ اس روٹ پر ہم سے بڑا بدمعاش کوئی نہیں۔ اور آج کالج کے طلبہ کے سامنے گھٹنے ٹیک دیئے۔

پھر خیال آیا کہ جوش نے ان نونہالوں کو ہدیۂ عقیدت پیش کرتے ہوئے جو ایک نظم کا آغاز اس طرح کیا تھا کہ ع مرحبا! اے نوجوانانِ کالج مرحبا

پھر نہ جانے آگے جاکر یہ کیوں کہہ گیا کہ ؎

زندگی طوفان ہے اور ناؤ ہو تم پاپ کی

آہ جیتی جاگتی بدبختیو! ماں باپ کی

چلئے ماں باپ کی جیتی جاگتی بدبختی سہی یہ معاشرہ کے لئے تو ایک مجسم خوش بختی ہیں دیکھئے کیسے کیسے جغادریوں کو ناک چنے چبواتے ہیں۔ جو لوگ عام سواری کے ساتھ شریفانہ طریقے سے بات کرنے میں عار سمجھتے ہیں وہ ان نونہالوں کے سامنے ہاتھ جوڑتے ہیں آخر ان میں کوئی جوہر کوئی خوبی تو موجود ہے۔

• اہلِ فن کہتے ہیں دنیا میں دو قدریں رائج ہیں ایک درشنی قدر یعنی FACE VALUE دوسری حقیقی قدر یعنی (INTRINSIC VALUE) جیسے سو روپے کا نوٹ اور سو روپے کا سونا۔ مگر اب تو یہ دونوں قدریں دب کر رہ گئی ہیں اور ایک تیسری قدر اُبھری ہے اور غالب آگئی ہے اور وہ ہے NUISANCE VALUE یعنی دھونس غنڈہ ازم فتنہ پردازی شرانگیزی اور تخریب کاری

اس لئے اب اگر کوئی دبتا ہے تو اسی سے، کوئی جھکتا ہے تو اسی کے سامنے، اور معاشرے میں چلت ہے تو اسی کی ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

؎ نیا راگ ہے ساز بدلے گئے ÷ زمانے کے انداز بدلے گئے

ایک وہ وقت تھا کہ قوم کو حسرت تھی رنج تھا افسوس تھا کہ غیر ملکی تسلط نے ہمارے دین و ایمان، اخلاق اور قومی روایات کو مسخ کر کے رکھ دیا ہے کاش اس پر تسمہ پا سے ہماری گردن آزاد ہوتی ہم اپنے ایمان کے تقاضوں کے مطابق اپنی اخلاقی قدروں کو اپنی قومی روایات کو پوری آزادی سے اپنا سکتے، ایک وقت ہے کہ اللہ تعالےٰ نے آزادی عطا کر دی، اپنا ملک اپنا تسلط، اپنی حکومت، اپنا دین اپنے اخلاق اپنی روایات اور نیچے اوپر پوری آزادی تہائی صدی گذر گئی مگر حاصل یہ ہوا کہ نژاد نو اخلاق اور قانون کا جنازہ کندھوں پر سجائے۔ اور پرانی نسل اسے جشن سمجھتے ہوئے ہنستے گاتے نامعلوم منزل کی طرف رواں دواں چلے جا رہے ہیں جیسے یہ منظر دیکھ کر ہاتف آواز دے رہا ہو ؎

رو میں ہے رخش عمر کہاں دیکھئے تھمے
نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں

اوپر اور نیچے دونوں طبقے، آگے اور پیچھے دونوں گروہ مگن ہیں ع
کچھ ایسے سوئے ہیں سونے والے کہ جاگنا حشر تک قسم ہے

۲۔ ووٹر: . . . . صاحب بڑے شریف آدمی ہیں، نیک ہیں، دیانتدار ہیں انہیں الیکشن میں امیدوار کے طور پر کھڑا نہیں ہونا چاہیئے تھا۔
سیاست تو نری بدمعاشی ہے، ہیرا پھیری ہے ۔

یہ کسی ایک ووٹر کی رائے نہیں۔ بلکہ ایک مسلمہ حقیقت بن گئی ہے، ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ یہ اس سیاست کی خصوصیت ہے جس کا دنیا میں رواج ہے اور وہ ہے مغربی سیاست یا بے دین سیاست، ورنہ اسلامی سیاست تو دین سے کوئی الگ چیز نہیں۔ مگر وہ ہے کہاں؟

اس ریمارک سے ظاہر ہے کہ ووٹر کس قماش کا نمائندہ چاہتے ہیں۔ اس قبیل کے نمائندوں کے بل بوتے پر جو جمہوریت معرض وجود میں آسکتی ہے۔ اس کا حدود اربعہ معلوم کرنا کوئی مشکل کام نہیں

اس نظریہ کے تحت سر شماری سے جو اکثریت بنے گی اور اس اکثریت سے جو حکومت کا نقشہ تیار ہو سکتا ہے اس کے خط و خال تو صاف نظر آ رہے ہیں۔ جب بنیادی اصول یہ ٹھہرا کہ ؎

جمہوریت اک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

تو اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ؏

از مغزِ دو صد خر فکرِ انسانے نمی آید

خدا جانے اس جمہوریت کے فراق میں لوگ کیوں گھلے جا رہے ہیں اور اس کے جہاں آرا کا نظارہ کرنے کے لئے کیوں اتنے بے تاب ہیں ؎

تھا جو ناخوب بتدریج وہی خوب ہوا
کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر

اس جمہوریت کے عجیب عجیب کرشمے دیکھنے میں آئے ہیں، مثلاً

ایک دیندار ماہر قانون بزرگ کے مقابلے میں ایک جدی پشتی حمامی انتخاب جیتا اور یوں جیتا کہ ریکارڈ قائم کر دیا۔

انتخاب کا معیار قریباً ہر شعبے میں ایک ہی ہے عوام ہوں یا خواص، چھوٹے ہوں یا بڑے سب کے سامنے انتخاب کا معیار بس یہ تیسری قدر ہی بن چکی ہے۔ عوام ایسے لوگوں کا انتخاب کرتے ہیں کہ وقت آنے پر وہ حضرات اپنے کار ہائے نمایاں کے احتساب کے ڈر سے وطن چھوڑ کے مفرور ہو جاتے ہیں یا تختہ دار پر لٹکتے منظر آتے ہیں اور خواص جب انتخاب کرتے ہیں تو ان برگزیدہ ہستیوں کی نعش کو مسلمان اپنے قبرستان میں دفن کرنے کی اجازت تک نہیں دیتے اور وہ کالے سہی مگر اپنے ہم جنس سفید فاموں کے شہر خموشاں میں ہی ان کی آخری آرام گاہ بنتی ہے، اس معیار سے ہٹ کر کہیں کوئی شاذ و نادر مثال ملتی ہے۔ تو اسے مستثنیات میں شمار کیا جا سکتا ہے۔ اصل مستند مقبول اور متفقہ معیار انتخاب وہی تیسری قدر ہے۔ مگر بھول جاؤ ایسی پریشاں خیالی کے تذکرے کو ناچو کودو گاؤ اور

بولو بولو پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الٰہ الا اللہ

۳۴۔ ایک اشتہار کے عنوان میں "تفریق کیوں؟" کے الفاظ پڑھ کر سارا متن پڑھنے کا خیال آیا چنانچہ کر گزرے مگر عجیب کیفیت ہوئی مثلاً

(۱) ایک ملک کے دارالحکومت میں مسلمانوں کی ایک مسجد بھی موجود نہیں اور مسجد تعمیر کرنے کی اجازت بھی نہیں۔ جبکہ عیسائیوں کے ۱۲ گرجے، ہندوؤں کے دو مندر، یہودیوں کے دو معبد اور مجوسیوں کے دو آتش کدے موجود ہیں۔

(۲) مسلمان عید نہیں پڑھ سکتے۔

(۳) مسلمان نہ تبلیغ و اشاعت دین کر سکتے ہیں نہ تنظیم بنا سکتے ہیں۔

(۴) مسلمان مذہبی کتابیں نہیں چھاپ سکتے نہ باہر سے منگا سکتے ہیں۔

(۵) ایک صوبے کے سرکاری اسکولوں کے ۵۰۰ اساتذہ میں سے صرف ۳۲ مسلمان ہیں۔

لطف یہ کہ اس ملک کو اسلامی ملک کہا جاتا ہے۔ اور اس میں جو حالیہ انقلاب آیا اسے اسلامی انقلاب کا نام دیا جاتا ہے۔

آہ بیچارہ اسلام!

اس پر بڑے بڑے ظلم ہوئے مگر اس ظلم کی مثال چودہ صدیوں کی تاریخ میں کہیں نہیں ملتی ع

آسماں را حق بود گر خوں ببارد بر زمیں

● حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا اللہ کے بدترین بندے وہ ہیں جو فتنہ انگیز مسائل ایجاد کر کے بندگانِ خدا کو فتنوں میں مبتلا کر دیتے ہیں۔

● ۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا

اگر اصحابِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم آج واپس آجائیں تو تمہارے معاملات میں سے ایک قبلہ کے سوا کچھ نہ پہچانیں گے۔

فیض الرحمان
اسلام آباد

شیطان کے مکروفریب

گذشتہ سے پیوستہ

(قسط دوم)

طریق کار

۱۔ اس سلسلے میں امام غزالیؒ فرماتے ہیں۔ کہ شیطان سے بچنے کا طریقہ اللہ رب العزت سے پناہ مانگنا ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی سبیل نہیں اس لئے کہ شیطان ایسا کتا ہے جسے اللہ تبارک و تعالٰی نے تجھ پر مسلّط فرمادیا ہے لہذا اگر تو اس سے جنگ اور دفع کرنے کے درپے ہوگا تو وہ تجھے تھکان میں مبتلا کر دیگا۔ اور تیرے اوقات برباد کردے گا اور تیرے اوپر کامیابی حاصل کرکے تجھے زخمی کردیگا۔ لہذا اس کتے کے مالک کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے، تاکہ وہ تجھے اُس کے شر سے بچائے رکھے پھر اس کے بعد اگر ہم دیکھیں کہ وہ ہمارے اوپر غلبہ حاصل کر رہا ہے تو ہمیں سمجھ لینا چاہیئے کہ یہ اللہ تعالٰی کی طرف سے آزمائش ہے اور وہ ہمارے خلوص نیت اور صبر کو آزمانا چاہتا ہے۔ جیسا کہ کافروں کو ہمارے اوپر مسلّط کیا گیا۔ حالانکہ اللہ تعالٰی اُن کو مغلوب کرنے پر قادر تھا۔ لہذا اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ اللہ تعالٰی سے پناہ مانگنے کے ساتھ ساتھ شیطان کے حیلوں، ہتھکنڈوں اور تدابیر (جن کا اوپر تفصیلی ذکر ہوا ہے) (قسط ۱ میں) سے واقفیت حاصل کرکے اُن سے بچنے کی کوشش کی جائے۔

۲۔ احادیث کے مطابق قلب کے بائیں حصّہ پر شیطان کا تسلّط ہوتا ہے۔ جب تک بندہ ذکر الٰہی سے غافل رہتا ہے، شیطان وسوسے ڈالنے اور دیگر گمراہ کن کاروائیوں میں مشغول رہتا ہے جیسے ہی بندہ ذکر اللہ میں مشغول ہوجاتا ہے تو شیطان پیچھے ہٹ جاتا ہے لہذا شیطان کے خلاف مومن کا سب بڑا ہتھیار ذکرُ اللہ ہے۔ ذکر کے

سلسلے میں مندرجہ ذیل باتوں کا خیال رکھنا چاہیئے

(ا) ذکر دونوں وقت صبح کے وقت قبل از نماز فجر یعنی تہجد کے وقت اور شام کو بعداز نمازِ مغرب، باقاعدگی کے ساتھ اور پوری قوت سے کیا جائے حتی الامکان سانس کی رفتار پورے ذکر کے دوران یکساں رکھی جائے، بہت آہستگی کے ساتھ اور نیم دلی سے کئے گئے ذکر سے مطلوبہ اور متوقع نتائج پیدا نہیں ہوتے۔ جس کے نتیجہ میں سالک پریشان ہو کر ذکر ہی چھوڑ بیٹھتا ہے۔ لیے ہی بے قاعدگی سے کئے گئے ذکر سے بھی مطلوبہ فوائد حاصل نہیں ہوتے۔ انتہائی مجبوری کے ساتھ اگر ایک وقت کا ذکر چھوٹ جائے تو جیسے ہی فرصت د فراغت ملے معمول کرلینا چاہیئے خواہ قلیل وقت کے لئے کیا جائے۔ ذکر کے دوران توجہ الی اللہ رکھنے کی کوشش مسلسل جاری رہنا چاہیئے، دنیاوی خیالات اور وساوس شیطانی کی یلغار دوران ذکر (خصوصاً نئے ساتھیوں پر) جاری رہے گی۔ اس سے حوصلہ ہار کر پریشانی کا شکار نہ ہونا چاہیئے بلکہ جیسے ہی اس صورتِ حال کا احساس پیدا ہو، پھیر اپنی توجہ کو ذکر اللہ کی طرف مرکوز کرنیکی کوشش کریں۔ ذکر کے دوران حرکت بھی جاری رہنا چاہیئے۔ جتنا تیزی سے، قوت کے ساتھ اور حرکت جاری رکھتے ہوئے سانس لیا جائے اتنا ہی قلب کی صفائی جلدی ہوتی ہے اور شیطان کے پسپانے اور مضبوط قلعے تیزی سے مسمار ہوتے ہیں۔

(ب) ذکر کے دوران بعض سالکین کو کشف ہونے لگتا ہے۔ یا کیفیاتِ عجیبہ حاصل ہوتی ہیں کبھی ان کیفیات میں کمی ہو جاتی ہے۔ یا بالکل ختم ہو جاتی ہیں۔ ان صورتوں میں سالک کو پریشان نہیں ہونا چاہیئے۔ کیونکہ مقصد رضائے الہٰی ہے نہ کہ ان کیفیات کا حصول۔ سالک کو ان چیزوں کے پیچھے کبھی نہیں پڑنا چاہیئے ورنہ یہ حجاب بنکر قربِ خداوندی کے حصول میں بہت بڑی رکاوٹ بن جاتی ہیں۔ منجانب اللہ جو کچھ بھی عطا ہو اس پر شکر کر کے اپنے کام میں مشغول رہنا چاہیئے۔

(ج) جہاں تک ممکن ہو ساتھیوں کے ساتھ مل کر ذکر کرنا چاہیئے۔ انفرادی ذکر سے وہ فوائد حاصل نہیں ہوتے، جو اجتماعی ذکر سے حاصل ہوتے ہیں۔ ہفتہ وار اور ماہانہ اجتماعی محافل ذکر میں پورے اہتمام اور ذوق و شوق کے ساتھ شامل ہونا چاہیئے جب کوئی خصوصی محفلِ ذکر ترتیب دی جائے اس میں بھی شامل ہونا چاہیئے۔

(د) دارالعرفان کے سالانہ پروگرام میں زیادہ سے زیادہ وقت لگانے کی کوشش کریں کیونکہ وہاں پر اُستاذ المکرم بہ نفسِ نفیس موجود ہوتے ہیں۔ اکابرین سلسلہ بھی اس پروگرام کے دوران زیادہ سے زیادہ وقت کے لئے حاضر رہنے کی کوشش کرتے ہیں نیز کثیر تعداد میں دور و نزدیک اور بیرونی ممالک سے ساتھی تشریف لاتے ہیں۔ اس لئے دارالعرفان میں ذکر کا رنگ اور سماں ہی اور ہوتا ہے ایسے ہی وہاں پر ذکر کرنے کے فوائد اور برکتیں بھی کثیر اور بے بہا ہوتی ہیں۔

(س) ذکر کے بعد مراقبات اپنے اپنے اسباق کے مطابق پوری دل جمعی، یکسوئی اور توجہ کے ساتھ کرنا چاہیئے۔ ذکر اللہ کے پورے پورے فوائد کو حاصل کرنے کے لئے مراقبات میں ہمہ تن متوجہ رہنا بہت ضروری ہے۔ لیکن رُوح میں قوتِ پرواز اُس وقت تک صحیح طور پر پیدا نہیں ہوگی اور نتیجتہً مراقبات صحیح طور پر نہیں ہو سکیں گے جب تک کہ ذکر پوری طرح توجہ قوت اور حرکت سے نہیں کیا گیا ہوگا۔

۳۔ جو مسلمان نماز، روزہ یا دیگر فرائض و واجبات سے غافل رہتے ہیں۔ اُن پر شیطان کو کوئی خاص توجہ نہیں دینا پڑتی۔ بلکہ ان کی طرف سے تو وہ ایک طرح سے فارغ ہو چکا۔ کہ وُہ اُس کے بتائے ہوئے راستے پر خود بخود چلتے رہتے ہیں۔ جو مسلمان پابندِ صوم و صلوٰۃ ہیں اُن پر وہ مستقل طور پر نظر رکھتا ہے اور گمراہ کرنے کے حیلے ڈھونڈتا رہتا ہے لیکن جو مسلمان ذکر شروع کر دیتا ہے، اور سلوک و طریقت کے راستے پر چلنا شروع کر دیتا ہے۔ اور سلوک و طریقت کے راستے پر چلنا شروع کر دیتا ہے۔ اُس وقت تو شیطان کے ہاں صفِ ماتم بچھ جاتی ہے اور اس کا داویلا اور شور و فغاں قابلِ دید ہوتا ہے۔ شیطان کے نقطۂ نظر سے سب سے خطرناک گروہ جماعتِ صوفیہ ہی ہے۔ جن پر اُس کا زور نہیں چلتا۔ کیونکہ ذکر اللہ کی برکت سے اُن کے قلوب روشن۔ منوّر اور زندہ ہو چکے ہوتے ہیں نیز وہ لوگ شیطان کے داؤ پیچ اور ہتھکنڈوں سے خوب آگاہی رکھتے ہیں۔

۴۔ جب بندہ ذکر شروع کرتا ہے تو شیطان پوری کوشش کرتا ہے۔ کہ اُس کو اس کام سے باز رکھوں۔ کبھی تو رات کو خواب میں طرح طرح سے ڈراتا اور پریشان کرتا ہے۔ کبھی وسوسوں کے ذریعہ سے بددل کرتا ہے۔ اس دوران میں

بعض اوقات نئی قسم کی اور پریشان کن کیفیات وحالات پیش آیا کرتے ہیں۔ جن کو سالک خود نہیں سمجھ سکتا۔ ذاکرین کی تعداد میں اللہ کے فضل و کرم سے بے حد اضافہ ہو چکا ہے اور شیخ المکرم تمام ساتھیوں کو انفرادی طور پر توجہ نہیں دے سکتے۔ لہٰذا ایسی صورت میں مقامی امیر یا اکابرین سے قریبی تعلق رکھنا چاہیئے۔ اپنے تمام حالات سے اُن کو آگاہ کرتا رہے اور رہنمائی حاصل کرتا

شیطان جب ذاکر کو باقاعدگی سے ذکر میں مشغول ہوتا دیکھتا ہے تو پھر کوشش کرتا ہے کہ اجتماعی محافل ذکر میں جانے سے روکوں۔ اس سلسلے میں وہ عجیب وغریب طریق کار اختیار کرتا ہے ذاکر جب گھر سے اجتماعی ذکر میں شرکت کے لئے نکلنے لگتا ہے تو عین اُس وقت کوئی دوست یا واقف کار آن وارد ہوتا ہے ذاکر اگر دو تین اجتماعی محافل ذکر میں شامل ہونے سے رہ جائے تو پھر اتنی سُستی اور تساہل ہونے لگتا ہے کہ وہ تیسری یا چوتھی بار اجتماعی محفلِ ذکر میں ویسے بھی نہیں جا سکتا۔ اس صورتِ حال سے عہدہ برآ ہونے کے لئے دو باتوں کا خیال رکھیں جب کوئی ملنے آئے (جب ذکر کے لئے جا رہے ہوں) تو اُس کو پانچ دس منٹ میں فارغ کردیں۔ اگر ہر دفعہ ایسی ہی صورت پیش آئے تو وقتِ مقررہ سے بہت پہلے گھر سے نکل آئیں یعنی اجتماعی محفلِ ذکر میں شمولیت کے لئے اگر ۴ بجے گھر سے نکلا کرتے ہیں تو آئندہ ۳ بجے نکل آیا کریں نیز جو بھی دوست یا شناسا گھر پر آئے۔ اُس کو ذکر کی دعوت دیا کریں شیطان جب دیکھے گا کہ یہ تو اور لوگوں کو بھی شامل ہونے کی دعوت دیتا ہے تو اُن کو بھیجنا بند کر دیگا۔

۵۔ ایک اور اہم وجہ جسکی بناء پر ذاکر کو رکاوٹ پیش آتی ہے۔ وہ اکیلے ذکر کرنا ہے ذاکر اگر ہفتہ میں صرف ایک بار اجتماعی ذکر میں شامل ہو۔ اور باقی دنوں میں انفرادی طور پر ذکر کرتا رہے تو بھی عموماً ذکر میں باقاعدگی نہیں لگ سکتی۔ کیونکہ اکیلے آدمی کو سُستی بہت آتی ہے۔ نماز وروزہ میں آسانی سے باقاعدگی پیدا ہو جاتی ہے لیکن ذکر میں باقاعدگی بہت مشکل ہے اُس کا علاج یہ ہے کہ یا تو محلے میں دو تین ساتھی ملکر ذکر کیا کریں، یا گھر میں بیوی بچوں کو ساتھ ملایا جائے۔

ذکر میں دوام اور باقاعدگی پیدا کرنے کے

لئے مقامی جماعت کے ساتھ قریبی اور مسلسل تعلق کو قائم رکھنا ازحد ضروری ہے۔

۶۔ شیطان کے حملوں سے بچنے کے لئے اور صراطِ مستقیم پر گامزن رہنے کے لئے شیخ کے ساتھ قلبی تعلق کا ہونا ہی سب سے بڑا اور موثر ہتھیار ہے، شیخ اور مُرید کا رشتہ بڑا نازک اور حساس ہوتا ہے تصوف از سرتا پا ادب ہی ادب ہے، لہذا جو جتنا ادب کرے گا اتنا ہی فائدے میں رہے گا صرف شیخ کے سامنے ہی مؤدب رہنا کافی نہیں ہوتا بلکہ جہاں بھی ہو شیخ کے ساتھ محبت اور عقیدت کا رشتہ قائم رہنا چاہئے۔ اگر مُرید کے دل میں شیخ کے بارے میں ذرا بھی بدگمانی پیدا ہو جائے تو فیض ملنا بند یا کم ہو جاتا ہے (خواہ شیخ کو اس بات کا علم نہ بھی ہو) اور اگر یہ صورتِ حال دیر تک قائم رہے تو بتدریج فیض ملنا بالکل ہی بند ہو جائے گا ۔ اگر شیخ کے کسی قول یا فعل کی سمجھ نہ آئے تو مناسب تاویل کرے اگر وسوسہ یا خیال پھر بھی قائم رہے تو بتدریج فیض ملنا بالکل ہی بند ہو جائے گا ۔ تو اکابرین سلسلہ میں سے کسی کے ساتھ بات کرکے شبہ کو رفع کرے تاکہ شیطان کو وسوسے ڈال کر مزید صورتِ حال خراب کرنے کا موقع نہ ملے۔

۷۔ رزقِ حلال کمانا اور کھانا شیطان کے حملوں سے بچنے کے لئے بہت ضروری ہے ۔ کیونکہ رزق میں تھوڑا سا بھی حرام شامل ہو جائے تو عبادت قبول نہیں ہوتی جب عبادت قبول نہ ہوگی (گو فرض پورا ہو جائیگا) تو شیطان جدھر چاہے گا موڑے گا اور جب چاہے گا شکار کرے گا ۔ چند احادیث درج ذیل ہیں۔

(ا) حدیث میں ہے کہ جس نے کوئی کپڑا دس درہم کو خریدا اور اس میں ایک درہم حرام کا تھا نہ قبول فرمائے گا حق تعالیٰ اس کی نماز جب تک کہ وہ کپڑا اس کے (بدن) پر رہے گا۔ (یعنی گو فرض ادا ہو جائے گا مگر نماز کا پورا ثواب نہ ملے گا)

(ب) حدیث میں ہے، جنت میں وہ گوشت نہ داخل ہوگا جو پلا ہے بڑھا ہے مالِ حرام سے اور ہر ایسا گوشت جو پلا ہے ہے مالِ حرام سے جہنم ہی اس کے لائق ہے۔ (رواہ احمد)

رزقِ حلال کے سلسلے میں دو باتیں قابلِ غور ہیں ۔ اوّل یہ کہ بعض پیشے ہی نوعیت کے لحاظ سے رزقِ حرام کا باعث ہیں مثلاً شراب کی خرید و فروخت، سودی کاروبار، رشوت لینا وغیرہ ۔ دوسرے یہ کہ بعض پیشے بالکل درست اور حلال روزی کا ذریعہ ہیں، لیکن بے احتیاطی اور لاپرواہی سے یا شرعی مسائل سے ناواقفیت کی بناء پر رزقِ حلال میں نقص واقع ہو جاتا ہے۔

لہٰذا ان سب باتوں کا خیال رکھنا چاہیئے۔ دو مثالوں سے بات واضح ہو جائے گی، ایک سرکاری ملازم اگر دفتر کا کام پوری دیانتداری سے سرانجام نہیں دیتا یا ادھورا اور نامکمل چھوڑ دیتا ہے یا وقت پر کر کے نہیں دیتا بلکہ جان بوجھ کر دیر سے مکمل کرتا ہے یا جان بوجھ کر خراب کر دیتا ہے ایسے ہی دفتر وقت پر نہیں آتا اور جلدی دفتر سے چلا جاتا ہے یا رخصت لئے بغیر ہی دفتر سے غائب ہو جاتا ہے۔ ان سب باتوں سے رزقِ حلال میں نقص واقع ہو جاتا ہے ایک دوسرا آدمی تجارت کا پیشہ اپنائے ہوئے ہے اس میں کچھ باتیں تو واضح ہیں مثلاً یہ کہ:۔

(ا) وزن پورا تولنا چاہیئے۔

(ب) چیزوں میں ملاوٹ نہیں کرنی چاہیئے۔

(ج) ایسا نہیں ہونا چاہیئے کہ باہر سے تو مال ٹھیک ہو لیکن بوریوں کے اندر خراب ہو۔

(د) مال فروخت کرنے کے لئے جھوٹی سچی قسمیں نہیں کھانا چاہئیں۔

لیکن تجارت کے بارے میں شرعی مسائل کا اکثر لوگوں کو علم نہیں ہوتا بیع یعنی خرید و فروخت کے مسائل ایسے ہیں جو بظاہر معمولی ہیں، لیکن لاعلمی کی وجہ سے بیع باطل یا فاسد ہو جاتی ہے اس صورت میں خریدنے اور بیچنے والے دونوں ہی کا نقصان ہے۔ خریدنے والے نے رقم بھی خرچ کی لیکن مال جو خریدا وہ بیع باطل کے ذریعے سے حاصل کیا۔ یہی حال بیچنے والے کا ہوا۔ مال فروخت کیا لیکن بیع باطل کے ذریعے سے (بیع باطل اس کو کہتے ہیں جو شرع میں بالکل ہی غیر معتبر اور لغو ہو اور ایسا سمجھیں کہ خرید و فروخت ہوئی ہی نہیں، اس کا حکم یہ ہے کہ خریدنے والا اس کا مالک نہیں ہوا۔ وہ چیز اب تک بیچنے والے کی ملک میں ہے اس لئے خریدنے والے کو نہ تو اس کا کھانا جائز اور نہ کسی کو دینا جائز۔ بیع فاسد کا حکم یہ ہے (جو بیع ہو تو گئی ہو، لیکن اس میں کچھ خرابی آ گئی ہے اس کو بیع فاسد کہتے ہیں) کہ جب تک خریدنے والے کے قبضہ میں نہ آ جاوے تب تک وہ خریدی ہوئی چیز اس کے ملک میں نہیں آتی۔ اور جب اس پر قبضہ کر لیا تو ملک میں تو آ گئی۔ لیکن حلال طیب نہیں ہے۔ اس لئے اس کو کھانا پینا یا کسی اور طرح سے اپنے کام میں لانا درست نہیں۔ بلکہ ایسی بیع کا توڑنا واجب ہے۔ لینا ہو تو پھر سے بیع کریں اور مول لیویں۔

اب چند مسائل بیع کے بارے میں بیان کئے جاتے ہیں جس سے ان کی اہمیت کا پتہ چلے گا۔

(ا) کسی نے کہا یہ چیز ایک روپیہ کو دیدو، اس نے کہا میں نے دیدی۔ اس سے بیع نہیں ہوئی۔ البتہ اس کے بعد اگر لینے والے نے پھر کہدیا کہ میں نے لے لیا تو بیع ہو گئی۔

(ب) کسی نے کہا یہ چیز ایک روپے کو میں نے لی اس نے کہا لے لو، تو بیع ہو گئی۔

(ج) کسی نے کہا۔ آپ یہ چیز لے لیویں۔ قیمت طے کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ آپ سے واجبی دام لئے جاویں گے، یا یہ کہا کہ ایسی ہی چیز فلاں نے لی ہے، جو دام اُس نے دئے ہیں۔ آپ بھی وہی دیدینا۔ یا یوں کہا کہ جو آپ کا جی چاہے دے دیجئے گا۔ میں ہرگز انکار نہ کروں گا یا یوں کہا کہ بازار سے پوچھوا لو جو اس کی قیمت ہو دے دینا۔ یا اسطرح کہا کہ فلاں کو دکھلا لو جو قیمت وہ کہے دیدینا ان سب صورتوں میں بیع فاسد ہے۔ البتہ اگر اُسی جگہ قیمت صاف معلوم ہوگئی اور جس گنجلک کی وجہ سے بیع فاسد ہوئی تھی وہ جاتی رہی تو بیع درست ہوگی۔ اور اگر جگہ بدل جانے کے بعد معاملہ صاف ہوا تو پہلی بیع فاسد رہی۔ البتہ اس صاف ہونے کے بعد پھر سے بیع کر سکتے ہیں۔

(د) دو انگوٹھیاں شرط کر کے خریدیں کہ دونوں کا نگ فیروزہ کا ہے۔ پھر معلوم ہوا کہ ایک میں فیروزہ نہیں ہے۔ کچھ اور ہے تو دونوں کی بیع ناجائز ہے۔ اب اگر ان میں سے ایک کا یا دونوں کا لینا منظور ہو تو اس کی ترکیب یہ ہے کہ پھر سے بات چیت کر کے خریدے۔

(س) کسی نے خریدتے وقت یوں کہا۔ کہ فلاں چیز ہم کو دے دو۔ جو خرچ آئے گا تب دام لے لینا۔ یا یوں کہا جب میرا بھائی آئے گا۔ تب دیدوں گا، یا یوں کہا جب کھیتی کٹے گی تب دیدوں گا۔ یا بیچنے والے نے اس طرح کہا، تم لے لو۔ جب جی چاہے دام دیدینا یہ بیع فاسد ہوگئی، بلکہ کچھ نہ کچھ مدت مقرر کرکے لینا چاہیئے اور اگر خریدا کہ ایسی بات کہہ دی تو بیع ہوگئی۔

اب بیچنے والے کو اختیار ہے کہ ابھی دام مانگ لے لیکن صرف کھیتی کٹنے تک کے سلسلے میں کہ اس صورت میں کھیتی کٹنے سے پہلے نہیں مانگ سکتا۔

درج بالا چند مثالیں ہیں۔ ایسے ہی بے شمار اور صورتیں ہیں جو کہ بیع کو باطل یا فاسد کر دیتی ہیں لہذا دکاندار یا تاجر حضرات کو خصوصًا اور ہر سالک کو عمومًا خرید و فروخت کے شرعی مسائل کا علم ہونا چاہیئے۔ ایسے ہی امانت رکھنا، قرض لینا یا دینا، اجارہ پر لینا، تاوان لینا، گروی رکھنا۔ مانگ کر چیز لینا۔ ان سب مسائل کا موٹا موٹا علم ہر سالک کو ہونا چاہیئے ان کو معاملات کہتے ہیں۔

شیخ المکرم اکثر فرمایا کرتے ہیں کہ آج کل مرنے والوں کو عذاب قبر عام طور پر معاملات میں کوتاہی کی وجہ سے ہوتا ہے۔

(اللہ ہر ایک کو سمجھ عطا فرمائیں آمین)

کایا پلٹ گئی

روایت: چوہدری شیر محمد (سرگودھا)

تحریر: باغ حسین کمال

بی۔ ایس سی میں طالبعلمی کے دوران جماعت اسلامی کے لٹریچر کا مطالعہ کیا اور اس کی تحریک سے وابستہ ہوگیا ۔ مولانا مودودی صاحب سے عقیدت انتہا کو پہنچی ۔ بیماری کی وجہ سے تعلیم ادھوری چھوڑ کر گھر آگیا ۔ چونکہ معاشی لحاظ سے فارغ البالی حاصل تھی ۔ اس لئے اپنے علاقہ میں جماعت کا کام کرنے میں فعال کردار ادا کرنے لگا ۔

محمد انور (سرگودھا) میرا بچپن کا دوست ہے ایک دن ملاقات ہوئی تو اس کے چہرے پر داڑھی دیکھ کر دنگ رہ گیا ۔ اس نے اپنے سلسلے کا تعارف کرایا اور ذکر کی دعوت دی ، مگر میں اس کا اور تصوّف کا مذاق اُڑانے لگا وہ وقتاً فوقتاً مجھے ملتا رہا اور دعوت کا سلسلہ جاری رکھا ۔ مگر چونکہ وہ کم علم ہے اس لئے میری تشفی نہ کر سکا ۔ لیکن میں نے محسوس کیا کہ جب سے اس سے ربط بڑھا ہے میری نماز میں ایک خاص کیفیت پیدا ہو چلی ہے ، میں نے اپنے چچا جان سے اس کا ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا صوفیاء دماغ کی بجائے دل کو متاثر کرتے ہیں اس اثنا میں انور پھر آیا اور مجھے دعوت دی کہ لنگر مخدوم میں حضرت خواجہ اللہ دین مدنی رح کے مزار پر سالانہ اجتماع میں شرکت کرو ۔ اس کے اصرار پر میں نے "ہاں" کر دی ۔

میں اپنے چچا زاد بھائی سعید احمد کے ساتھ اجتماع میں پہنچ گیا ۔ حضرت پلنگ پر دراز تھے اور دو آدمی ان کی ٹانگوں کو دبا رہے تھے ۔ میں ان کے سینے کے عین سامنے چند فٹ کے فاصلہ پر جاکر بیٹھ گیا ۔ میرے دل میں خیال گزرا کہ یہ انداز تو سنت کے خلاف ہے ۔ اچانک حضرت فرمانے لگے "محفل میں سنت طریقہ پر بیٹھنے کا طریقہ تو یہ ہے کہ مجھے بھی نیچے دری پر ساتھیوں کے ساتھ بیٹھنا

چاہیئے ۔ مگر معذور ہوں ۔ بچپن میں ایک دفعہ بکریوں کے لئے بیری کے درخت پر چڑھ کر پتے جھاڑ رہا تھا کہ پاؤں پھسلا اور نیچے گر پڑا ران اور ٹانگ پر چوٹ آئی ۔ چند روز کے بعد آرام آگیا ۔ جوانی میں تو محسوس نہ ہوا ۔ مگر اب بڑھاپے میں وہی درد جاگ پڑا ہے دبانے سے کچھ آرام رہتا ہے ۔ وگرنا میں دبوانا پسند نہیں کرتا ۔ مجھے احساس ہوا کہ جیسے حضرت نے میرے دل میں پیدا ہونے والے سوال کا جواب دے دیا ہو ۔

حضرت کی ٹانگوں پر دھڑ دیکھ کر مجھے کچھ ناگواری سی محسوس ہوئی تو اچانک فرمانے لگے "میرے رب کی شان ہے جسے چاہے عقل دیدے جسے چاہے شکل دے ، جسے چاہے علم ظاہری دیدے جسے چاہے علم باطنی دیدے اللہ کریم کا احسان ہے کہ اس نے مجھے ہر دو علوم میں بہرہ وافر عطا فرمایا" حضرت کی یہ بات سنکر مجھے احساس ہوا کہ جیسے میں نے اللہ کریم کی صنعتِ تخلیق پر حملہ کیا ہو اپنی سوچ پر پشیمانی ہوئی ۔

اس روز تمام دن حضرت قرآنی آیات کے نکات بیان فرماتے رہے ۔ چونکہ میں نے تفہیم القرآن کا بار بار مطالعہ کر رکھا تھا حضرت کی تفسیر سنکر مجھے محسوس ہوا کہ حقیقی تفسیر یہی ہے جو حضرت بیان فرما رہے ہیں ۔

دوپہر کو انور ، سعید اور میں بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے کہ سعید لیٹ گیا ۔ پندرہ بیس منٹ کے بعد اچانک اٹھ بیٹھا اور کہنے لگا میں نے ایک عجیب خواب دیکھا ہے "میں حضرت کی چارپائی کا پایہ پکڑ کر زار و قطار رو رہا ہوں اتنے میں ایک شخص آیا ہے جس کے ہاتھ میں ایک پھلجھڑی ہے جس سے ستارے چھوٹ رہے ہیں اور ہر طرف روشنی پھیل رہی ہے ۔ حضرت مجھ سے پوچھتے ہیں کیوں رو رہے ہو ، میں مزید رونا شروع کرتا ہوں ، حضرت فرماتے ہیں رونا بند کرو اور مجھے بازو سے پکڑ کر فضا میں اُچھال دیتے ہیں اور میں راکٹ کی تیزی سے فضا میں اُڑنے لگا ہوں" یہ علمی اشارات ہمارے لئے یقین بڑھانے کا باعث بن گئے دل سے تمام وساوس نکل گئے اور ہم نے حضرت کی بیعت کر لی ۔ زندگی کا رُخ بدل گیا اور اپنی اصلاح کی فکر لاحق ہوئی ۔ ذکر اللہ اور سلسلہ کی برکت کا اثر ہے کہ خلافِ شرع کام کرنے سے جی اٹکنے لگتا ہے ۔

ماہنامہ المرشد چکوال کا سالانہ چندہ صرف ۳۵ روپے

قربانی

ابو سعید

خالقِ کائنات نے اس جہانِ رنگ و بُو کی بقا اور افادیت کی بنیاد ایک ایسے تکوینی قانون پر رکھی ہے کہ مخلوق کی ہر نوع میں وہی ایک قانون کارفرما نظر آتا ہے جمادات کے نظام پر غور کیجئے فضا کی بلندیوں سے بادلوں کے سینے سے پانی برستا ہے زمین کے سینے میں جذب ہو کر انتہائی گہرائی تک پہنچکر اپنے آپ کو فنا کر دیتا ہے پانی کی اس قربانی کا نتیجہ زمین کی سطح پر پھیلا ہوا سر کی آنکھوں سے نظر آتا ہے یہ سبزہ زار یہ لہلہاتی فصلیں، یہ گل و گلزار، یہ باغ و بہار یہ طرح طرح کے میووں اور پھلوں سے لدے ہوئے درخت آخر کہاں سے آ گئے، پانی نے قربانی دی، زمین کا کلیجہ شق ہوا اور یہ پرکیف منظر دیکھنے میں آیا۔ سورج نے نہ جانے کتنی مقدار میں توانائی خرچ کی میوے اور پھل، سبزیاں اور فصلیں پک کر اس مرحلے پر پہنچیں کر حیوانات اور انسان کی غذا بن سکیں۔ یہ نباتات کی دُنیا کیا ہے، جمادات کی قربانی کا مظہر اور نتیجہ ہی تو ہے نباتات نے اپنی ابتدائی حالت میں سبز چارے کی صورت میں اور پکنے کے بعد بھُس کی شکل میں حیوانات کے بقا کا سامان فراہم کیا۔ پھر نباتات اور حیوانات کی مجموعی قربانی سے حضرت انسان کی ضروریاتِ زندگی کا سامان معرضِ وجود میں آیا۔ انسان کی بنیادی ضرورت غذا، اس کی بڑی ضرورت رہائش کے لئے محفوظ ٹھکانا اور اس کی تیسری ضرورت لباس سب نباتات اور حیوانات کی قربانی ہی کا نتیجہ ہے۔ حیوانات نے کہیں اس کو کاشتکاری کے لئے اور سواری کے لئے کہیں باربرداری کے لئے اپنی خدمات پیش کیں، زمین نے اسکی صنعت و حرفت کے لئے کارخانوں، فیکٹریوں کے لئے طرح طرح کی معدنیات مہیا کرنے کے لئے اپنا سینہ کھول دیا۔ یہ سب اسی ایک تکوینی قانون یعنی قربانی کے مختلف مظاہر ہیں۔ محسوس اور مشہور آثار ہیں۔

بنی نوعِ انسان کی دنیا پر نگاہ کیجئے، صنفِ نازک کا ایک فرد ایک دوشیزہ جس ماحول میں برسوں رہتی ہے اس ماحول کو اپنے پیارے ماں باپ کو اپنے

بہن بھائیوں کو چھوڑ کر جو قربانی پیش کرتی ہے اسی سے ایک نیا گھر وجود میں آتا ہے اور اسی طرح کی بیشمار قربانیوں سے معاشرہ وجود میں آتا ہے شہر آباد ہوتے ہیں۔ ملک اور بر اعظم بنتے ہیں۔

ایک باپ اپنے آرام و آسائش اپنی ذہنی اور جسمانی قوتوں کی قربانی دیتا ہے تو اولاد کی پرورش کی صورت پیدا ہوتی ہے۔ مختصر یہ کہ اس جہانِ آب و گِل کی ساری رعنائیاں، ساری چہل پہل، تمام رونق اور گہما گہمی صرف اور صرف قربانی کے جذبے کی مرہونِ منت ہے اور یہ سب نظام خالقِ کائنات کے تکوینی قانون کے تحت چل رہا ہے۔ ایک ماں، برسوں تک آرام اور رات کی نیند کی قربانی دیتی ہے جب کہیں ایک گوشت پوست ہڈیوں اور خون سے مرکب ایک ہیولیٰ بولتا چالتا سوچتا سمجھتا انسان کہلانے کے قابل ہوتا ہے۔

ایک استاد اپنے وقت اور اپنی ذہنی صلاحیتوں کی قربانی دیتا ہے تو ایک نادان اور جاہل بچہ ایک علامہ اور سکالر بن کر معاشرے کے وجود و بقا کے لئے تعمیری خدمت کرنے کے قابل بنتا ہے۔

ایک کاریگر اپنی فنی صلاحیتوں، اپنے وقت اور آرام کی قربانی دیتا ہے تو صنعتی ماحول میں ایک عظیم انقلاب پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ آرام و آسائش کے مشینی سامان، یہ رسل و رسائل اور آمد و رفت کے حیرت انگیز وسائل جنکی وجہ سے دقت اور فاصلے سمٹ کر

رہ گئے ہیں، کیسے وجود میں آ گئے اس کی تہہ میں کسی نہ کسی صورت کی قربانی کا ہاتھ نظر آتا ہے۔

مگر انسان جو اشرف المخلوقات ہے جو مقصدِ تخلیقِ کائنات ہے اور جس کی خاطر خود خالقِ کائنات نے ہر چیز کو مسخر کر رکھا ہے اور کام میں لگا رکھا ہے اور اس طرح کام میں لگایا کہ کائنات کی کوئی چیز کوئی ذرہ اپنے مفوضہ فرائض کی بجا آوری میں نہ تو سستی اور غفلت کا شکار ہوتا ہے نہ قانون سے سرمو انحراف کرتا ہے تو کیا وہ انسان صرف یہ جسم ہی ہے اور اس کے بقا سے مراد صرف جسم کی بقا ہے اور اس کی ضروریات سے مراد صرف جسمانی ضروریات ہی ہیں نہیں انسان تو جسم اور روح سے مرکب ہے اور یہ جسم اس روح کا صرف ایک آلہ کار ہے، ایک سواری ہے۔ ایک ذریعہ ہے جس سے روح اپنا کام لیتی ہے۔ اور جب یہ روح اس جسم سے جدا ہوتی ہے تو ہر جان سے فدا ہونے والے عزیز و اقربا خود اپنے ہاتھوں سے اس جسم کو زیر زمین دفن کر دیتے ہیں جو اس حقیقت کا واضح ثبوت ہے کہ کام کی چیز تو روح ہی ہے جو کام کی چیز بھی ہے اور کام لینے والی چیز بھی۔

پھر حضرت انسان نے بالواسطہ یا بلاواسطہ تسخیر کائنات سے جو دنیا بنائی ہے اور جو گھر آباد کیا ہے اس کی خاصیت بتاتا ہے کہ عارضی ہے۔

وقتی ہے، چند روزہ ہے، جیسے یہ جسم انسانی فانی ہے اسی طرح اس جسم کا یہ وطن یہ قرار گاہ بھی فانی ہے پھر کیا ہوتا ہے؟ سوچیے کہ جب انسان مرکب ہے جسم اور روح سے تو اسی طرح روح کی ضروریات روح کے وطن، اس وطن کی آبادی کا بھی کہیں کوئی نشان ملنا چاہیے۔ اور روح کے وطن کی آبادی، عیش و آرام، گہما گہمی کے لئے بھی کوئی اصول، کوئی قانون، کوئی ضابطہ ہونا چاہیئے کیونکہ جب جسم اور روح کا خالق وہی ایک ہے اور اس نے جسم کی دنیا کے بقا اور آبادی کے لئے قربانی کا تکوینی قانون جاری کر رکھا ہے تو اس کی دوسری مخلوق یعنی روح کے لئے بھی کوئی ایسا ہی قانون ہونا چاہیئے کیونکہ خالقیت کا تقاضا یہی ہے کہ جو خالق ہے وہی رب بھی ہے اور وہی مدبر کائنات بھی ہے۔

روح حادث ہے مخلوق ہے مگر اس کے لئے فنا نہیں۔ جب روح کو فنا نہیں ہوتا ہے تو اس کا وطن، اس کی قرار گاہ، اس کا ٹھکانہ بھی ایسا ہونا چاہیئے جو ابدی ہو جس کے لئے فنا نہ ہو۔ یہ جسم روح کا ٹھکانہ نہیں بلکہ اس کا آلہ کار ہے اسلحہ ہے جس سے اسے ایک مقررہ وقت تک کام لینا ہے اگر یہ اس کا وطن یا ٹھکانہ ہوتا تو روح اس سے جدا نہ ہوتی۔ جب عقل کا تقاضا یہی ہے کہ روح جو غیر فانی ہے اس کا اصل وطن بھی فنا سے نا آشنا ہونا چاہیئے تو اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ روح کے اس اصلی وطن کی آبادی اور اس وطن میں آرام و سکون سے رہنے کے لئے کونسا اصول ہے اور اس اصول کی پابندی کی صورت کیا ہے۔

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ روح کے ابدی وطن کی آبادی کے لئے بھی وہی قربانی کا قانون لاگو ہے البتہ فرق یہ ہے کہ اس فانی دنیا کی آبادی کے لئے قربانی کا قانون بنیادی طور پر تکوینی نوعیت کا ہے اور ابدی دنیا کے لئے قربانی کا جو قانون خالق کائنات نے مقرر فرمایا ہے اس کی حیثیت تکوینی نہیں تشریعی ہے اور ہے صرف انسان کے لئے۔ تکوینی قانون میں اختیار کو دخل نہیں مگر تشریعی قانون میں اختیار کے استعمال کی آزادی ہے۔ اور اسی آزادی اختیار میں شرف انسانیت کا راز پوشیدہ ہے۔ تکوینی قانون میں عدم اختیار کو یوں سمجھئے کہ پانی کو یہ اختیار نہیں کہ تراوت نہ پہنچائے، سورج کو یہ اختیار نہیں کہ روشنی اور گرمی دینا چھوڑ دے۔ مگر انسان کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ اسکی آزاد مرضی سے اس کے قدم مسجد کی طرف اٹھیں یا میکدے کی طرف۔ اس لئے وہ بڑی بے باکی سے کہہ سکتا ہے کہ:

چلے ہیں شیخ کعبہ کو ہم انگلستان دیکھیں گے
وہ دیکھیں گے گھر خدا کا ہم خدا کی شان دیکھیں گے

اسکو اختیار کی آزادی ہے کہ اس کے کان اللہ کا
کلام سُنکر لطف اندوز ہوں، یا گانا کے گانے
سُننے کے مشتاق ہوں، وہ حلال کمائی پر قناعت کرے
یا رشوت لینے کے سائنٹفک طریقے ایجاد کرے۔
اسی اختیار کے استعمال کے میدان میں خالق کا تشریعی
قانون اس سے قربانی کا مطالبہ کرتا ہے۔ یہ مطالبہ
اس لئے نہیں کہ اس سے خالق کا کچھ سنورتا بگڑتا ہے
بلکہ انسان کا یہ امتحان ہے کہ چاہے تو اپنے اختیار
کو صحیح طور پر استعمال کر کے اپنے ابدی وطن کی آبادی
اور وہاں کی راحتوں کا سامان کرے چاہے تو خود اپنے
ہاتھوں اپنے دائمی گھر اور وطن کی ویرانی کا اہتمام کرے

انسان کو اپنے گھر کی آبادی کا سلیقہ سکھانے کے
لیئے خالقِ انسان نے اتنا اہتمام کیا ہے کہ ہر قوم اور
ہر ملک میں وقتاً فوقتاً وہ ایسے معلم اور مربی بھیجتا رہا
جنہوں نے نہ صرف قربانی کا زبانی درس دیا بلکہ اپنے
عملی نمونہ سے یہ ثابت کر دیا کہ جو کچھ وہ کہہ رہے
ہیں وہ صرف کہنے کی بات نہیں بلکہ یہ کہنا سنانے
کے لیئے ہے اور سُننا کرنے کے لئے ہے۔ ورنہ
ان کے مخاطب بلا تکلف ایک دوسرے کو کہدیا کرتے
کہ سہ

اسکی باتوں سے تو نے اسے سمجھا خضر
اس کے پاؤں کو تو دیکھو کہ کدھر جاتے ہیں

اسی وجہ سے اہل نظر زندگی کا یہ اصول بیان کر گئے ہیں
کہ سہ

مدحتِ گفتار کو سمجھو نہ اخلاقی سند
خوب کہنا اور ہے اور خوب ہونا اور ہے

اس لئے اللہ کے یہ نمائندے ہمیشہ خوب کہتے
بھی تھے اور خوب ہوتے بھی تھے۔ اس مقدس
گروہ کا ہر فرد آسمان ہدایت کا شمس تاباں ہے،
اور ایثار و قربانی کا پیکر، مگر خالقِ کائنات
نے اپنی آخری کتاب ہدایت میں اس گروہ کی
دو مقدس ہستیوں کا خصوصیت کے ساتھ ذکر فرماتے
ہوئے ارشاد فرمایا۔

" اور ہم نے نوحؑ اور ابراہیمؑ کو پیغمبر
بنا کر بھیجا اور ان کی اولاد میں پیغمبری
اور کتاب کو (وقتاً فوقتاً) جاری رکھا"
(الحدید آیت ۲۶)

اللہ کی کتاب کی روشنی میں ان کی قربانی کی ایک
جھلک دیکھیئے۔

حضرت نوحؑ اپنی قوم سے کہتے ہیں میری بات
مانو میں تمہیں اپنے خالق سے رشتہ و معبودیت
جوڑنے اور استوار کرنے کا سلیقہ سکھاتا ہوں اور تم
سے اس کی اُجرت نہیں طلب کرتا۔ تم اپنی موجودہ
روش کو بدل لو۔ مگر قوم نہ صرف کسی اَن سنی کر دیتی
ہے بلکہ مذاق اُڑاتی ہے پھبتیاں کستی ہے، بلکہ یہاں
تک دھمکی دیتی ہے کہ اگر تم باز نہ آئے تو سنگسار کر دیئے

جاؤ گے۔ مگر حضرت نوحؑ برابر وہی دعوت دیتے چلے جاتے ہیں نہ تھکتے ہیں نہ اُکتاتے ہیں۔

اور کیا آپ جانتے ہیں یہ کلام کتنی مدت تک جاری رہا قرآن کہتا ہے یہ اللہ کا برگزیدہ بندہ اس نامساعد ماحول میں انسان نما درندوں کے اس جنگل میں ساڑھے نو برس تک یہی دعوت دیتا رہا۔ کوئی تصور کر سکتا ہے اتنی بڑی قربانی جان کا خطرہ اپنی جگہ، اپنا وقت، آرام، مشاغل سب کچھ قربان کر کے برابر دعوت دیئے چلا جا رہا ہے کہ آؤ اپنے ابدی وطن کی آبادی کا سامان کر لو۔

حضرت ابراہیمؑ کی قربانی نہیں بلکہ قربانیوں کا ایک لامتناہی سلسلہ ہے باپ سے بڑھ کر محسن اور محبوب کون ہو سکتا ہے۔ اس لئے باپ کو تباہی سے بچانے کے لیے خالق سے روشناس کرانا چاہتے ہیں باپ کہتا ہے ور اگر تو باز نہ آیا تو میں تجھے سنگسار کر دونگا (۱۹ : ۴۶)

مگر حضرت ابراہیمؑ یہ کہتے ہوئے کہ دو میں آپ لوگوں سے اور جن کو اپنے اللہ کے سوا معبود بنا رکھا ہے کنارا کرتا ہوں" الگ ہو گئے، یعنی پہلے ہی مرحلے میں ہی گھر بار اور عزیز واقربا سے بائیکاٹ کر کے ان سب فانی رشتوں اور محبتوں کی قربانی دینا پڑی۔

پھر وقت کے نہایت متکبر اور بگڑے ہوئے حکمران سے ٹکر لی اور نتیجہ یہ ہوا کہ اس نے حکم دیا کہ "اس کو جلا دو" (۲۱ : ۶۸) مگر یہ حکم سُنکر نہ ماتھے پر شکن آیا نہ آگ میں پہنچکر کوئی گھبراہٹ محسوس ہوئی اس خندہ پیشانی سے اس گھناؤنے طریقے سے جان کی قربانی دینا ایسی قربانی ہے جسکی نظیر انسانی تاریخ میں نہیں ملتی سچ کہا کہنے والے نے کہ:

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی

سچ ہے قربانی کے لئے مقصد سے والہانہ عشق، ابدیت پر پختہ یقین اور خالق سے مضبوط تعلق ضروری ہے۔ جہاں یہ یقین اور عشق موجود نہ ہو وہاں عقل کی حیلہ جوئی، بہانہ سازی کو کھل کھیلنے کا بہترین موقع مل جاتا ہے اور عقل عیار ہے سو بھیس بدل لیتی ہے۔

اس سے بڑی قربانی اور کڑی آزمائش کا موقع وہ تھا جب بوڑھے باپ۔ حضرت ابراہیمؑ کو خواب میں یہ اشارہ ہوا کہ اپنے پیارے بیٹے کو جو مادی اعتبار سے بڑھاپے میں سہارا بن سکتا تھا اللہ کی راہ میں ذبح کر رہے ہیں۔ یہاں اس قربانی کے دو پہلو تھے ایک بوڑھے باپ کا پیارے بیٹے کو ذبح کرنے کے لئے آمادہ ہو جانا دوسرا معصوم بچے کا ذبح ہونے کے لئے برضا و رغبت تیار ہو جانا نہ ادھر سے زبردستی کرنے کا موقع تھا نہ اُدھر مجبوری کا سوال پیدا ہوتا تھا جبھی تو باپ نے بیٹے کا عندیہ معلوم کرنے کے لئے برملا کہہ دیا کہ "بیٹا

میں نے خواب کی حالت میں دیکھا کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں" بیٹا آخر خلیل اللہ کا بیٹا تھا کہنے لگا "ابا جان جو آپ کو جو حکم ہوا ہے کر گزریئے انشاءاللہ آپ مجھے صابر پائیں گے"

بڑوں کی باتیں بڑی ہی ہوتی ہیں باپ خواب بیان کر رہا ہے بیٹا کہتا ہے جو آپ کو حکم ہوا ہے تعمیل کیجئے۔ خلیل اللہی تربیت کا نتیجہ تھا کہ بیٹا سمجھ گیا، پیغمبر کا خواب وحی ہوتا ہے۔ معاملہ سوال جواب تک محدود نہ رہا۔ بات نے عمل کی صورت اختیار کی بیٹے کو لٹایا چھری چلایا ہی چاہتے تھے کہ قربانی قبول ہو گئی۔ دونوں کی قربانی۔

کتاب اللہ کا بیان ہے:۔

"ہم نے آواز دی کہ ابراہیم! تو نے تعمیل حکم کا حق ادا کر دیا ہم تیری اس قربانی کی قدر کرتے ہیں" آواز کس نے دی؟ ظاہر ہے کہ جس نے یہ سچی کتاب نازل کی اسی نے آواز دی مگر قربان ہونے والے کو کیا ملا؟ وہ کچھ ملا جو نہ کسی کو ملا نہ ملے گا اور نہ مل سکتا ہے یعنی اس کی نسل میں سے اللہ نے اپنا آخری نمائندہ رحمتہ للعالمین بنا کر رہتی دنیا تک کی ہدایت کے لئے مبعوث فرمایا جسے یہ مژدہ سنایا کہ ورفعنا لک ذکرک ؏۔

آخر آمد بود فخر الاولین

یہ قربانی بس باپ کا بیٹے کے گلے پر چھری چلانے کے لیئے آمادہ ہو جانا ہی نہیں تھا بلکہ یہ قربانی تھی خواہشات کی، یہ قربانی تھی اپنی امنگوں کی یہ قربانی تھی اپنی پسند سے دستبردار ہو جانے کی یہ قربانی تھی اس امر کی کہ دنیا کی محبوب ترین چیز اللہ کی محبت پہ قربان کی جا رہی ہے یہی قربانی کی روح ہے یہی قربانی کا مقصد ہے، یہی قربانی کی غایت اصلی ہے۔

اللہ تعالےٰ کو باپ بیٹے کی یہ ادا ایسی پسند آئی کہ قیامت تک ہر سال اس کی یاد تازہ کرنے کا اہتمام فرما دیا اور اپنے آخری نبی کو حکم دیا کہ آخری شریعت میں آخری امت کے لیئے لازم قرار دینے کا اعلان فرما دیا۔ مگر اللہ تعالےٰ نے اس میں بطور خاص یہ رعایت رکھی کہ بیٹے کو ذبح کرنے کی جگہ جانور کو ذبح کیا جائے کیونکہ اس کی کوئی محسوس صورت ضرور ہونی چاہیئے ہاں اس قربانی میں وہی جذبہ وہی یقین وہی للہیت بقدر ہمت ضرور موجود ہو جانی چاہیئے جو خلیل اللہ کے دل کی گہرائیوں میں موجزن تھی چنانچہ اسی عظیم قربانی کی یاد تازہ کرنے کے لیئے امت مسلمہ کا ہر صاحب استطاعت فرد ہر سال دسویں ذی الحج کو قربانی کرنا عین سعادت سمجھتا ہے۔

علوم وفنون کے میدان میں انسان ترقی کر کے کہیں سے کہیں پہنچ گیا ہے۔ تہذیب وتمدن اپنی

معراج پر پہنچ چکے ہیں۔ عقل انسانی فکر کے میدان میں اپنی جولانیاں دکھا رہی ہے نئے نئے نظریات سامنے آرہے ہیں پرانے عقائد و نظریات میں ترمیم و تجدید کا غلغلہ ہے دین اسلام، شریعت کے احکام عقل کی زد میں آگئے ہیں چنانچہ آج کے دانشور۔ زبان سے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا اقرار کرنے والے دانشور یہ کہتے ہیں اور برملا کہتے ہیں۔ صرف کہتے نہیں بلکہ باقاعدہ تحریکیں چلا رہے ہیں کہ اسلام کے احکام بدل لینے چاہئیں بالخصوص قربانی اور ہر سال قربانی تو قطعاً غیر اسلامی فعل ہے۔ تین دنوں میں اسلامی دنیا میں لاکھوں جانور ذبح ہوتے ہیں۔ یہ دولت کا ضیاع ہے۔ یہی رقم خرچ کر کے رفاہی ادارے قائم کئے جا سکتے ہیں۔ مستقل تعمیری شعبے قائم کئے جا سکتے ہیں۔ لہٰذا امت کو اس "حرکت" سے باز آجانا چاہیئے۔ سچ کہا حکیم الامت نے

؎ تنگ بر ما رہگذارِ دیں شدہ
ہر لئیمے رازدارِ دیں شدہ

مگر یہ دانشور معذور ہیں۔ یہ اپنے خالق سے آشنا نہیں اس کے احکام کی حکمتیں ان کے مادہ پرستی کے طوفان میں گھرے ہوئے مغرب کی کورانہ تقلید کے شکار ذہنوں میں آنہیں سکتیں محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات سے یہ واقف نہیں۔ اس عظیم مدبر کی تدبیروں اس بے مثال مقنن کے قوانین ان بھینگے دانشوروں کو ناقص نظر آتے ہیں۔ ستم بالائے ستم یہ کہ یہ کوتاہ بیں اپنے آپ کو عقل کل سمجھتے ہیں کیا انھیں علم نہیں کہ اللہ کے آخری اور مکمل دستور حیات میں اس قربانی کی تاکید موجود ہے۔ کیا یہ نہیں جانتے کہ اس دستور اور قانون کی عملی تعبیر پیش کرنے اور سکھانے والے نے دس برس مدینہ طیبہ میں گزارے اور ہر سال باقاعدگی سے اپنے دستِ مبارک سے اس موقع پر جانور کی قربانی دیتے رہے۔

کیا یہ اس حقیقت سے ناآشنا ہیں کہ اس اعلم الناس کا قول و فعل حجت اور معیار ہے یہ سب باتیں جانتے ہیں۔ ان کی معلومات بڑی وسیع ہیں پھر یہ کیوں ہے؟ اس لئے کہ دل نور ایمان سے خالی ہیں۔ ایمان نام ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعتماد پر اس حقیقت کو تسلیم کر لینے کا جو حضورؐ کے قول و فعل سے ثابت ہو۔ ان کی مصیبت یہ ہے کہ یہ ایمان بالغیب ہے اور یہ ایمان بالتجربہ کے قائل ہیں۔ لہٰذا ان کی حالت قابلِ رحم ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سکھایا ہوا دین ان کی نگاہ میں عقل کی توہین

مگر یہ اسے چھوڑ بھی نہیں سکتے کہ معاشی اور تمدنی مجبوریاں ایسا کرنے میں مانع ہیں۔

اگر خالص عقلی اعتبار سے غور کیا جائے تو اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ہر شے کی ایک صورت ہوتی ہے اور ایک اسکی حقیقت اور روح۔ اور ہر حقیقت کے اظہار میں آنے کے لئے ایک مخصوص صورت ضروری ہوتی ہے اس پر اصرار کرنا کہ حقیقت وہی ہو لیکن صورت بدل دی جائے شاید نری حماقت نہ ہو مگر حماقت سے خالی ہرگز نہیں۔ مثلاً انسان کی ایک روح ہے ایک اس کا جسم ہے۔ کوئی دانشور اگر کہے کہ یہ صورت بدلنی چاہیئے یعنی روح انسان ہی کی ہو مگر جسم گدھے کا ہو، کیا اس مجموعے سے انسان جیسے اعمال و خصوصیات کی توقع رکھی جا سکتی ہے؟ جواب یہی ہوگا کہ ایسا نہیں ہو سکتا۔ پھر اللہ کے تکوینی امور میں ردوبدل تمہارے بس کی بات نہیں، تو اللہ کے تشریعی امور پر تجدد کا کلہاڑا چلانے سے رک جاؤ تو اس میں کیا قباحت ہے جسم انسانی میں ایک ہی روح ہے جو بدن کے ہر عضو میں موجود ہے لیکن اس روح کے مظاہر مختلف ہیں۔ آنکھ میں جو روح کارفرما ہے اس کا مظہر دیکھنے کا فعل ہے اب اگر کوئی دانشور کہے کہ نہیں آنکھ کی ضرورت نہیں آنکھ کا کام پاؤں سے لینا چاہیئے۔ حالانکہ پاؤں میں بھی وہی روح ہے پھر اس سے آنکھ کا کام کیوں نہ لیا جائے کوئی دانشور اس کے لئے آمادہ نہ ہوگا کہ اس کی آنکھ پھوڑ دی جائے اور وہ مزے سے آنکھ کا کام پاؤں سے لیتا رہے۔

یہ مشینی دور ہے، ایجادات کا کوئی شمار نہیں ذرا اس حقیقت پر غور کیجئے کہ یہ بجلی کا پنکھا جس کی ہوا کے جھونکوں سے آپ لطف اندوز ہو رہے ہیں یہ محض صورت ہے اس کی اصل روح وہ بجلی کی رو ہے جو اسے گھما رہی ہے اگر کسی تجدد پسند طبیعت کو یہ صورت گوارا نہ ہو اور وہ اسے بدل کر یوں کر دے کہ پنکھا اتار کے وہاں برقی مدھانی لٹکا دے اس میں وہی روح کام کرے گی اور وہ چکر بھی بڑی تیزی سے لگائے گی مگر جناب دانشور ہوا کے جھونکے کو ترستے ہی رہیں گے۔ کیونکہ پنکھا بنانے والے نے ہوا کے مزے لینے کے لئے اس کی یہی شکل بنائی ہے آپ پنکھا بنانے والے سے اُلجھ سکتے ہیں مگر اپنی مدھانی سے پنکھے کا کام ہرگز نہیں لے سکتے، بجلی کے شعبے میں ایسی بے شمار مثالیں مل سکتی ہیں۔ آپکی عقل خواہ انکار کرتی رہے، آپ ریڈیو ٹیلی ویژن، فرج، فریزر سے وہی کام لیں گے جن کے لئے یہ بنائے گئے ہیں۔

ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ تجدد پسندی کا جذبہ اگر غالب آجائے تو آپ فریج سے ٹی وی کا کام لینے بیٹھ جائیں مگر اس سے حاصل کچھ نہ ہوگا۔

سوال یہ ہے کہ ایجادات یا صنعتوں کے بارے میں موجد یا صانع نے کسی چیز کی جو صورت متعین کی ہے آپ اس سے مطمئن کیوں۔ اور اللہ اور اس کے رسولؐ نے تشریعی امور میں عبادات۔۔ اور اعمال کی جو صورتیں متعین فرمائی ہیں آپکی عقل اس سے بدکتی کیوں ہے، جواب یہ ہے کہ یہ معاملہ یقین اور بے یقینی ہے۔ آپکو موجدوں اور صناعوں کی فنی مہارت پر یقین ہے اس لئے وہ آپ کو نہیں کھٹکتی اللہ اور اس کے رسول کی حکمت اور احکام کی شانِ تعمیر پر آپ کو یقین نہیں اس لئے شریعت کے ہر حکم کی عملی تعبیر میں آپکو عیب اور نقص نظر آتا ہے۔

اگر بہ نظر غور دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول نے انسانیت کی تعمیر کے لئے، انسان کے باطن کو سنوارنے کے لئے، انسان کے ابدی وطن اور دائمی گھر کی آبادی کے لئے صرف ایک قانون مقرر فرمایا ہے اور وہ ہے قربانی، چنانچہ اسلام کی ساری عبادات کی روح قربانی ہے صرف مظاہر مختلف ہیں صورتیں جدا ہیں مثال کے طور پر اقرار شہادتین کو لیجئے زبان سے اقرار اس کا مظہر ہے روح ہے تصدیق قلبی۔

لا الٰہ الا اللہ پر یقین اس امر کی قربانی ہے کہ میری عقیدت اور بندگی کا مرکز میرے جذبۂ عبادت کا رُخ ہر طرف سے مڑ کر میرا یہ تعلق ہر ایک سے کٹ کر صرف اللہ رب العالمین سے جڑ گیا ہے۔ اور محمد رسول اللہ کا اقرار اس امر کی قربانی ہے کہ میں نے اپنی عملی زندگی میں رہنمائی کے منصب سے سب کو علیحدہ کرکے صرف اللہ کے آخری نبی محمدؐ کی ذات سے یہ منصب وابستہ کر دیا ہے اس اقرار و تصدیق میں اپنی پسند، اپنے جذبات اپنی خواہشات سب کی قربانی ہے قلب کی گہرائیوں میں یہ جذبہ پیدا کرنے اور پالنے کے لئے زبان سے اقرار کی صورت اللہ و رسول نے مقرر فرمائی اور یہ اتنی اہم ہے کہ آدمی اس صورت کو اختیار کئے بغیر انسان اسلام کے دائرے میں آ ہی نہیں سکتا۔ اور محمد رسول اللہؐ کا اقرار اس امر کی قربانی ہے کہ میں نے اپنی عملی زندگی میں رہنمائی کے منصب سے سب کو علیحدہ کرکے صرف اللہ کے آخری نبی محمدؐ کی ذات سے یہ منصب وابستہ کر دیا ہے۔ اس اقرار و تصدیق میں اپنی پسند، اپنے جذبات اپنی خواہشات سب کی قربانی ہے، قلب کی گہرائیوں میں یہ جذبہ پیدا کرنے اور پالنے کے لئے زبان سے اقرار کی صورت اللہ و رسول نے مقرر فرمائی اور یہ اتنی اہم ہے کہ آدمی اس صورت کو اختیار کئے بغیر انسان اسلام کے دائرے میں آ ہی نہیں سکتا۔

پھر پانچ وقت کی نماز کو لیجئے اس میں اپنے

آرام، اپنے وقت اور اپنے مشاغل کی قربانی مطلوب ہے مگر نماز کی روح اللہ سے ایسی قلبی محبت اور قرب پیدا کرنا ہے کہ دل اپنے رب کے گھر میں حاضری اور اس کی ملاقات کے لیے بے تاب، نماز میں خشوع خضوع اور قرب الٰہی کے جذبے کی پرورش ہوتی اور یہ کام اتنا ضروری ہے کہ سبق دن میں پانچ وقت دُہرایا جاتا ہے، تاکہ مشاغل میں پھنس کر انسان اپنے رب سے دُور ہوتا نہ چلا جائے اور اس کا قلب غفلت کا شکار نہ ہو جائے۔

اسی طرح صوم رمضان کو لیجیے اس کی روح تقویٰ کا وصف پیدا کرنا ہے مگر اس کے لئے صورت صرف یہی ہے، روزہ انسان کو اس امر کی تعلیم دیتا ہے اور عملاً یہ بات سکھاتا ہے کہ اللہ علیم وخبیر اور سمیع وبصیر ہے اس کی نگاہ سے کوئی عمل پوشیدہ نہیں۔ انسان قانون کی نگاہ سے بچ کر قانون شکنی کا مرتکب ہو سکتا ہے مگر اللہ کی نافرمانی کرنے کے لئے اسکو چھپنے کی کوئی جگہ نہیں مل سکتی اس عبادات میں خواہشات اور مرغوبات کی قربانی ہے۔ قوت شہویہ اور غضبیہ پر قابو پانے کے لئے مسلسل مشق ہے۔

زکوٰۃ کے فرض پر غور کیجیے اس میں اپنے گاڑھے پسینے کی کمائی کی قربانی کا سلیقہ سکھایا جا رہا ہے۔ اس بات کی تربیت دی جاتی ہے کہ مال میرا نہیں دینے والے کا ہے میں صرف امین ہوں اس کے خرچ میں میری مرضی نہیں چلے گی بلکہ مالک کی مرضی چلے گی۔

حج کی عبادت میں سب قربانیاں جمع ہیں گھر بار چھوڑنا، سفر کی صعوبتیں سہنا۔ آرام تج دینا۔ اجنبی مُلک اور اجنبی ماحول میں رہنے کا سلیقہ سیکھنا ہے اور یہ سب کچھ اللہ کی محبت کے جذبے کے تحت کرنا ہے جس کا مظہر اللہ کے گھر کی زیارت اس کا طواف، سعی وقوف عرفات وغیرہ محبت کی ادائیں ہیں۔

یہ سب عبادتیں مختلف جذبوں کی تعمیر اور مختلف حقائق کی روح کے مختلف مظاہر ہیں۔ اگر کوئی عقلیت پرست انسان عقل کے زور سے یہ استدلال پیش کرے کہ توحید و رسالت کا عقیدہ دل میں ہونا چاہیے زبان پر لانے کی ضرورت نہیں یا نماز کا مقصد اگر بغیر نماز کی پابندی سے حاصل ہو سکے تو نماز کی حاجت نہیں اسی طرح زکوٰۃ، روزہ اور حج کی مخصوص صورتیں اختیار کیے بغیر اگر وہ مقصد حاصل کر لیا جائے کہ یہ ممکن ہی نہیں کیونکہ ان کا اصل موجد وہ ہے جو خالق کائنات بھی ہے اور رب العالمین بھی ہے۔ اور عقل بھی اسی کی عطا ہے لہذا انسان کی محدود عقل ان حکمتوں کا احاطہ نہیں کر سکتی جو اصل موجد نے ان میں رکھی ہیں۔ پھر یہ اللہ کے اس آخری نمائندے نے اپنے قول وفعل تعلیم وتربیت سے سکھائی ہیں۔ انسان اگر کوئی متبادل صورت تجویز کرتا ہے تو وہ اس امر کا اعلان

کررہا ہے کہ میں عقل تجربہ اور بصیرت میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فائق ہوں، میری عقل ان حقائق کا کھوج لگانے میں کامیاب ہوتی ہے جن تک معاذاللہ محمد رسول اللہ کی بصیرت نہیں پہنچی تھی، ظاہر ہے کہ ایسی حرکت وہی کرسکتا ہے جس کا محمد رسول اللہ سے کوئی ادنیٰ تعلق بھی نہ ہو۔ پھر ایسے بدخود غلط آدمی کی بات کیوں سنی جائیں، کیوں نہ کہدیا جائے ؂

آتا نہ ہوگا راس کسی کو نہ آئے عشق
ہم کو تو تیرے درد نے انسان بنادیا

ہر سال ذی الحجہ کی دسویں کو جانور کی قربانی بھی اسی طرح ابدی گھر کو آباد کرنے کی ایک مخصوص اور متعین صورت ہے، اللہ کی آخری کتاب میں اس کی تاکید موجود ہے اور اللہ کے رسولؐ نے یہاں تک اس پر زور دیا کہ فرمایا "جو شخص استطاعت رکھتا ہو پھر بھی قربانی نہ کرے تو وہ ہمارے ساتھ نماز میں شامل نہ ہو"۔ یہ ایسی تنبیہ اور ایسی دھتکار ہے کہ جس کے دل میں محمد رسول اللہؐ سے عقیدہ کا کوئی شمہ بھی موجود ہو تو وہ تنبیہ سنکر کانپ جائے گا۔

پھر حضورؐ کا ارشاد ہے کہ "اس روز اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ عمل جانور کی قربانی کرنا ہے" اب ایک مسلمان کو یہ فیصلہ کرنا ہوگا کہ اسے اللہ کے نبی کی بات پر اعتماد ہے یا نہیں اور اسے اللہ کی پسند کا خیال رکھنا ہے یا ان متجددین کی پسند کو وقعت دینا ہے جو درحقیقت اسلام کے دوست نما دشمن نہیں بلکہ خود اپنی ذات کے دشمن ہیں۔

پھر یہ دیکھنا ہے کہ کیا یہ سب کہنے کی باتیں ہیں یا کہیں عمل کا ثبوت بھی ملتا ہے۔ ان لوگوں کے ہاں اللہ کے نبی کی باتوں کا تو کوئی وزن نہیں ہاں تاریخ ان کے لئے سند ضرور ہے تو تاریخ بتاتی ہے کہ محمد رسول اللہؐ دس برس مدینہ طیبہ میں رہے اور ہر سال باقاعدگی سے اپنے دستِ مبارک سے جانور کی قربانی کیا کرتے تھے۔ مگر انہیں محمد رسول اللہؐ سے کوئی تعلق ہو تو حضورؐ کے عمل کو اسوۂ حسنہ تسلیم کریں۔ بیچارے معذور ہیں انھوں نے نہ رب العالمین کی قدر پہچانی ہے نہ رحمۃ للعالمین کی۔

کہتے ہیں ایک دن میں اتنے لاکھوں جانوروں کو ذبح کردینا قومی نقصان ہے (ANIMAL STOCK) میں بحران پیدا ہو جاتا ہے۔ کوئی پوچھے قومی نقصان کی پیمائش آپ نے کیسے کی، کبھی یہ بھی سوچا کہ عام حالات میں روزمرہ کتنے جانور ذبح ہوتے ہیں۔ عیدالضحیٰ کے موقع پر تین روز تک تو کم از کم گوشت کی دکانیں بند رہتی ہیں۔ اس ایک دن کی قربانی کو ذرا تین روز میں پھیلا کے تو دیکھو۔

پھر جو لوگ سال بھر یہ مال پالتے ہیں کیا ان کی قیمت ان کی جیبوں میں نہیں جاتی، کیا وہ قوم کے فرد نہیں ہیں۔ پھر قربانی کے دن قصاب جو ذبح کرتے ہیں

اور ان کو جو اُجرت ملتی ہے وہ کوئی واگھہ کے اس پار چلی جاتی ہے؛ پھر ملک میں جو دباغت کے کارخانے (ٹینریز) کھلے ہوئے ہیں ان میں کام کرنے والے اپنا پیٹ پالتے ہیں۔

یہ تو اس خالص دنیوی اور معاشی پہلو ہے۔ اگر اُخروی پہلو پیشِ نظر رکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے صحابہؓ کے سوال پر کہ قربانی سے ہمیں کیا ملے گا؟ تو فرمایا کہ جانور کے ایک بال کے بدلے ایک نیکی تمہارے نامہ اعمال میں لکھی جائے گی۔ نیکی کیا ہے؟ اللہ کی خوشنودی اور اللہ کی خوشنودی کیا ہے ابدی گھر کی آبادی اور راحت کا سامان بلکہ یہ تو وہ چیز ہے کہ خود اللہ نے اعلان فرمادیا کہ (رضوان من اللہ اکبر) یعنی اللہ کی خوشنودی سب سے بڑی دولت ہے۔

اب ذرا تقابل کرکے قومی خیر خواہی، اعداد و شمار کے فن میں مہارت اور معاشیات میں کمال سے کام لیکر یہ دیکھیئے کہ ہر روز، سال بھر کتنے سگریٹ پھونکے جاتے ہیں کتنی دولت آگ اور دھوئیں کی نذر ہوتی ہے اور اس سے حاصل کیا ہوتا ہے۔ کینسر اور سرطان۔ اس معاملے میں آپکی قومی حس کیوں بیدار نہیں ہوتی۔ کیا کبھی کوئی تحریک چلائی ہے کہ سگریٹ نوشی ختم ہونی چاہیئے اور یہ دولت جمع کرکے کوئی کارخانہ کوئی رفاہی ادارہ قائم کرنا چاہیئے۔

پھر آپنے کبھی اس کے اعداد و شمار بھی جمع کئے ہیں کہ ملک کے سینماؤں میں روزانہ کتنی کتنی شو دکھا کر جو قوم کی دولت لوٹی جاتی ہے اسکی مقدار کتنی ہے اور اس سے حاصل کیا ہوتا ہے یہی کہ ؎

گھٹتا جاتا ہے خطِ پیمانہ
بڑھتی جاتی ہے تشنگی ساقی

قومی کردار کو یہ اکاس بیل جس بری طرح کھائے جارہی ہے اس کا احساس آپکو کیوں نہیں ہوتا کیا کوئی تحریک چلی ہے کہ یہ دولت کا ضیاع ہے اس خطیر رقم سے تو کئی کارخانے چل سکتے ہیں، ہزاروں بے سہارا لوگوں کو سہارا مل سکتا ہے۔ اس پہلو پر آپکے پیٹ میں کبھی قومی درد نہیں اُٹھا

ترمیم، تجدید، تنسیخ اور اصلاح کی زد جب پڑتی ہے تو اسلامی احکام پر۔ آپکی تجدیدی سرگرمی کے لئے صرف اسلام ہی رہ گیا ہے اللہ و رسول ﷺ کے ہر حکم میں آپ کو نقص خامی اور عیب ہی نظر آتا ہے اور پھر آپ مسلمان بھی ہیں

بلکہ

اصلی تے وڈّے مسلمان!

جفائیں بھی ہیں فریب بھی ہیں نمود بھی ہے سنگار بھی ہے
اور اس پہ دعوائے حق پرستی اور اس پہ یاں اعتبار بھی ہے

فاعتبروا یا اولی الابصار

جواہر پارے

میجر اعوان

● ۔ آدمی پورا دانشمند نہیں ہوتا جب تک کہ اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں اپنے نفس سے سخت عداوت نہ رکھے ۔ (ابو الدرداءؓ)

● ۔ کوڑے سے روٹی کے ٹکڑے چن کر لاتے اور ان کو دھوتے تھے اور کچھ ان میں سے خود کھاتے تھے اور کچھ خیرات کرتے تھے (اویس قرنیؓ)

● ۔ جس نے عورتوں اور کھانوں کو ترک کیا اس سے کرامت کا ظاہر ہونا لابدی ہے (مطرف بن عبد اللہؓ)

● ۔ جب ایک دن بعد ایک روٹی اور ایک کوزہ پانی مل جایا کرے تو دنیا پر خاک ڈالنی چاہیئے (صفوان بن محرز مازنیؒ)

● ۔ جب دنیا کی عادت یہ ہے کہ آدمی ہمیشہ شکم سیر کم غور کرنے والا ہو ۔ اس کی ہمت اس کے پیٹ اور شرمگاہ پر محدود ہو، وہ کہتا ہے کہ کب صبح ہو کر میں کھیلوں کودوں، کھاؤں پیوں اور کب شام ہو کر آرام کروں ۔

بیر۲ روپے کا نمک خرید لیا کرتے اور سال بھر اسی سے روٹی کھاتے تھے ۔ (مالک بن دینارؒ)

اور صرف قربانی کے دنوں میں اس سبب سے گوشت کھاتے تھے کہ قربانی میں سے کھانے کی فضیلت حدیثوں میں بہت آئی ہے ۔

● ۔ مہمان کے تین حق تم پر ہیں ۔ ① اس کے لئے تکلف نہ کرو ② اس کو محض حلال سے کھلاؤ اور نمبر۳ اس کے

اوقاتِ نماز کی نگہداشت کرو (عبیدہ بن عمیرؒ)

- میں نے سُنا ہے کہ تم ایک مہینے تک بغیر کچھ کھائے ہوئے رہتے ہو تو کہا کہ ہاں دو مہینے تک (ابراہیم تیمی)
- بھوک قلب کو صاف کرتی ہے، ہوا و حرص کو مارتی ہے اور علم پیدا کرتی ہے (ربیع بن خراشؒ)
- اپنے پیٹ کو اپنی عقل پر دست رس نہ دو۔ کیونکہ دنیا تھوڑے ہی دن ہے یہ ہمیشہ سد رمق کھر ہی کھاتے تھے اور کہتے تھے کہ ذرہ برابر گوشت بھی چالیس دن تک دل کو سخت رکھتا ہے۔ ان کی غذا روٹی اور نمک کے سوا کچھ نہ تھی۔ (ابو المہاجرؒ)
- اگر تمہارا بھائی تم کو کھانے پر بلائے تو جب تک کہ تم یہ نہ دیکھ لو کہ اس کے کھانے پر تمہارا قلب درست رہے گا۔ اس وقت تک اس کی دعوت کو قبول نہ کرو۔ (سفیان ثوریؒ)
- جو چاہتا ہو کہ اللہ اس پر نورِ قلب کا دروازہ کھول دے اس کو خلوت میں بیٹھنا۔ کم کھانا، کم عقلوں سے ملنے جلنے کو چھوڑنا اور ایسے علم والوں کو جن کا مقصود اپنے علم سے محض دنیا ہے دشمن سمجھنا لازم ہے (امام شافعیؒ)
- روٹی کے ساتھ نمک شہوت پرستی ہے۔ (امام ابو حنیفہؒ)
- ان کو جب بھوک لگتی تھی تو روٹی کے سوکھے ٹکڑوں کو گرد و غبار سے صاف کر کے ایک پیالہ میں رکھتے اور اس پر پانی ڈال لیتے تھے اور جب وہ بھیگ جاتے تو نمک سے کھا لیتے تھے (امام احمدؒ)
- جو سرکہ اور ساگ پر راضی ہو اس کو لوگ اپنا غلام نہ بنائیں گے۔ (مسعر بن کدامؒ)
- زہد تو حلال ہی میں ہوا کرتا ہے اور حلال مفقود ہو گیا اس لئے دُنیا بمنزلۂ مردہ کے ٹھہری۔ اور اس سے اسی قدر لو جس سے تم زندہ رہ سکو کیونکہ اگر وہ حلال ہے تو تم زاہد ٹھہرے اور اگر حرام ہے تو تم نے جان ہی بچانے بھر لیا اور اسی قدر اس میں سے حلال بھی تھا اور اگر اس میں شبہے ہیں تو عتاب میں کمی ہو جائے گی۔ (وکیع بن الجراحؒ)
- ان کو جب حلال کھانا نہیں ملتا تو مٹی کھاتے اور ایک مہینے تک اسی کو کھا کر رہتے۔ اور کہتے تھے کہ اگر مجھے اپنے نفس کی اعانت کا اندیشہ نہ ہوتا تو جب تک مجھے حلال نہ ملتا مرتے دم تک مٹی کے سوا اور کوئی چیز میری خوراک ہی نہ ہوتی جہاں تک ان سے ہو سکتا تھا کھانے میں کمی کرتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ حلال میں فضول خرچی کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ (ابراہیم بن ادہمؒ)
- جس نے روٹی کے ساتھ نمک طلب کیا اس کو صوفیوں کے راستہ میں فلاح نہ ہوئی (ذوالنون مصریؒ)

بقیہ: چراغِ مصطفویؐ
صد ۱۵ سے آگے

بھی کیا جا سکتا ہے — پھر ہمارے ضمانت دینے اور حضور اکرمؐ کے ضمانت دینے میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ہم ضمانت دیکر بھی غفلت اور کوتاہی کا شکار ہو سکتے ہیں مگر حضور اکرمؐ جس چیز کی ضمانت دیں۔ اس میں تو بات استحقاق سے بھی آگے نکل جاتی ہے ع۔ "نبیؐ کے منہ سے جو نکلی وہ بات ہو کے رہی"

احباب کی توجہ کیلئے

"المرشد" کو جاری رکھنا اور اس کے قارئین کے دائرے کو وسیع کرنا

صرف احباب کی خصوصی توجّہ اور تعاون ہی سے ممکن ہے۔

نئے سال کا چندہ قریبی فرصت میں ارسال فرمائیں اور نئے خریدار بنائیں۔

(ادارہ)

رجسٹرڈ ایم نمبر ۱۹

ماہ محرم الحرام ۱۴۰۳ھ نومبر ۱۹۸۲ء

فہرست مطبوعات ادارہ نقشبندیہ اویسیہ

دلائل السلوک (اردو)	۲۵/۰۰
صوفی ازم (انگلش)	۴۰/۰۰
حیاتِ برزخیہ	۲۵/۰۰
تحذیر المسلمین عن کید الکاذبین	۲۵/۰۰
الدین الخالص	۲۵/۰۰
حیاتِ انبیاءؑ	۱۰/۰۰
اطمینانِ قلب	۱۰/۰۰
تعمیر سیرت	۷/۵۰
لغزشیں	۷/۵۰
حضرت امیر معاویہ رضؓ	۷/۵۰
اسرار الحرمین	۵/۰۰
انوار التنزیل	۵/۰۰
کس لئے آئے تھے؟	۵/۰۰
تعارف	۳/۰۰
خدایا ایں کرم بار دگر کن	۷/۵۰
دیارِ حبیب میں چند روز	۵/۰۰
دین و دانش	۵/۰۰
مغالطے	۵/۰۰
پاکیزہ معاشرہ	۷/۵۰
فضائل توبہ استغفار	۲۰/۰۰
المرشد (فی شمارہ)	۳/۰۰
حج کی دعائیں ۳ حصے	۵/۰۰
ذکر اللہ (عربی)	۳/۰۰
بزم انجم	۱۵/۰۰
فوزِ عظیم	۱/۵۰
علم و عرفان مع تلاشِ راہ	۳/۰۰
سالانہ چندہ المرشد	۳۵/۰۰
کونوا عباد اللہ (زیر طبع)	
ایمان بالقرآن کلاں	۲۰/۰۰

۹۹

ماہنامہ

المرشد

زیر سرپرستی

حضرت العلامؒ مولانا

اللہ یار خان صاحب مدظلہ

اصلاحِ احوالِ باطنی اصلاح

سالانہ چندہ

پینتیس ۳۵ روپے

ادارہ نقشبندیہ اویسیہ دار العرفان منارہ ضلع جہلم ● سول الخیبر مدنی کتبخانہ گنبت روڈ لاہور

کتبہ: مشتاق احمد رضوی

www.QuranTafseer.net

الحمدللہ کوشش کی گئی ہے کہ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کے حوالے سے تمام کتابیں اور آڈیو وڈیو بیانات کو آپکی سہولت کے لیے ایک جگہ پر اکٹھا کر دیا جائے اور تازہ جمعہ بیانات بھی آپ فوراسن سکیں۔ ویب سائیٹ کی اینڈرائیڈ ایپلیکیشن بھی موجود ہے

آپ اپنے اینڈرائیڈ موبائل میں پلے سٹور سرچ میں جا کر نیچے دیئے گئے الفاظ لکھ کر آسانی سے یہ ایپلیکیشن سرچ کر کے انسٹال کر سکتے ہیں۔

اس ویب سائیٹ اور ایپلیکیشن سے آپ یہ سب کچھ حاصل کر سکتے ہیں۔

1- مفسّر، مترجّم ومفکّرِ قرآن حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمۃ اللہ علیہ کی آڈیو، وڈیو اور تحریری تینوں طرح کی مکمل 30 پارہ اردو تفسیر اور مکمل 30 پارہ پنجابی تفسیر آڈیو وڈیو۔ 2- مشکوٰۃ شریف احادیث کی تشریح آسان ترین انداز میں آڈیو اور وڈیو بیانات۔ 3- اگر آپ کو قرآن ناظرہ پڑھنا نہی آتا یا آپ نے قرآن پڑھنا بہت پہلے سیکھا مگر اب صحیح تلفظ سے نہی پڑھ سکتے تو اب آپ دس دس منٹ کی کچھ وڈیوز دیکھ کر ناظرہ قرآن روانی سے پڑھنا سیکھ سکتے ہیں۔ 4- اس زمانہ کے سب سے مشہور 4 قاری صاحبان قاری مشری صاحب قاری السدیس صاحب قاری عبد الباسط صاحب اور قاری عادل الکلبانی صاحب کی آواز میں پورے قرآن کی آڈیوز سن سکتے ہیں۔ 5- حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمۃ اللہ علیہ کا نعتیہ کلام 6- ذکر کرنے کا ایسا طریقہ جس سے آپ کا دل اور جسم کا ہر ذرہ اللہ کا ذکر کرنے لگے مکمل تفصیلات موجود۔ 7- پچھلے دس سال کے سالانہ اور ماہانہ روحانی اجتماعات آڈیو وڈیو بیانات کا خزانہ 8- اسلامی سوال جواب ٹی وی پروگرام المرشد کی تمام آڈیوز وڈیوز۔

9- سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کی تمام کتابیں اور 1981 سے آج تک کے تقریبا تمام المرشد میگزین پی-ڈی-ایف میں ڈاؤن لوڈ کے لیے موجود۔ جلسوں، جمعہ بیان، سالانہ، ماہانہ اجتماعات کے بیانات کی تازہ آڈیوز فورا ایپلیکیشن اور ویب سائیٹ پر آپ سن سکتے ہیں۔ آئی فون، ونڈوز موبائل اور کمپیوٹر والے حضرات یہ سب کچھ اوپر دی گئی ویب سائیٹ سے حاصل کر سکتے ہیں۔

آپ کی سہولت کے لیے سلسلہ کی کوئی بھی کتاب یا کسی بھی پارہ کی تفسیر پی-ڈی-ایف میں آپ کو اپنے وٹس ایپ پر چاہیے ہو تو اس نمبر پر کتاب کا نام یا پارہ نمبر بتا کر اپنے وٹس ایپ سے میسج کر کے حاصل کر سکتے ہیں۔ 03235205255